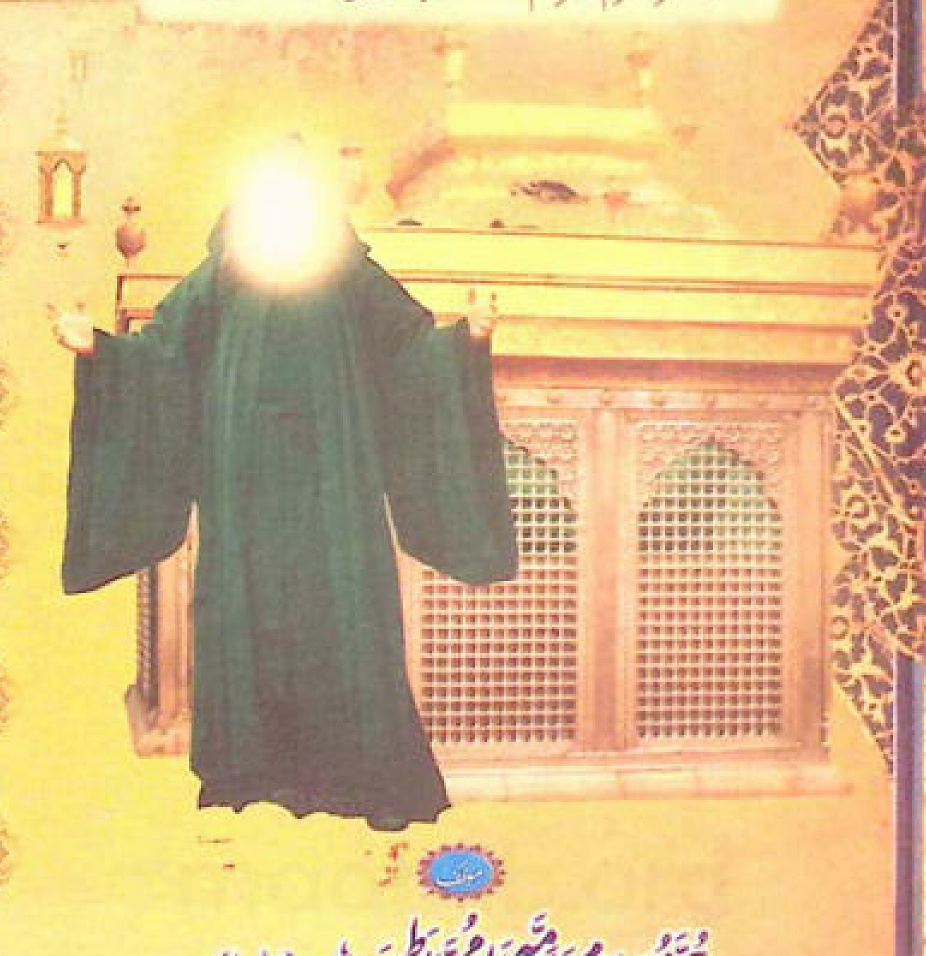
حسینؑ، شہیدِ انسانیت

(عشرہ محرم الحرام ۲۰۱۵ء بمطابق ۱۴۳۷ھ)



مؤلف

حجۃ الاسلام علامہ مرزا محمد اطہر (انڈیا)

حسین علیہ السلام شہیدِ انسانیت

(عشرہ محرم الحرام ۲۰۱۵ء بمطابق ۱۴۳۷ھ)

خطیب اکبر

حجۃ الاسلام علامہ مرزا محمد اطہر (انڈیا)

مرتبہ

ندیم عباس حیدری علوی

پیش کش

حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری

ریسرچ سکالر اسلامک یونیورسٹی قم ایران

ناشر: اِدارہ منہاج الصالحین

الحمد مارکیٹ فرسٹ فلور دکان نمبر 20-غزنی سٹریٹ-اُردو بازار-لاہور

فون: 042-37225252 ، 0301-4575120

کتاب	:	حسینؑ، شہیدِ انسانیت (عشرہ محرم الحرام ۲۰۱۵ء بمطابق ۱۴۳۷ھ)
خطیب اکبر	:	حجۃ الاسلام علامہ مرزا محمد اطہر (انڈیا)
مرتب	:	سید ندیم عباس حیدری علوی
پیش کش	:	حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری
پروف ریڈنگ	:	اسد علی ڈار
فنی تعاون	:	محمد عمران حیدر
تعداد	:	1000
اشاعت	:	2018ء
ہدیہ	:	[redacted] روپے

ملنے کا پتہ

ادارہ منہاج الصالحین۔ لاہور

الحمد مارکیٹ فرسٹ فلور دکان نمبر 20۔ غزنی سٹریٹ، اردو بازار۔ لاہور

فون: 042-37225252 - 0301-4575120

خطیبِ اکبر

حضرت علامہ مرزا اطہر صاحب قبلہ

کی زندگی کا آخری عشرہ

مجلسِ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ارشادِ رب العزت ہے:

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

"عصر کی قسم! تمام انسان گھاٹے میں ہیں سوائے ان کے جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے اور وہ لوگ جو ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے ہیں اور وہ جو ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرتے ہیں"۔ (سورۂ عصر)

عزیزانِ گرامی!

میں نے جس سورہ کو عنوانِ کلام قرار دیا ہے، یہ قرآن پاک میں سورۂ عصر کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں رب العزت نے انسان کی حقیقت، اس کی زندگی، اس کی کامیابی اور ناکامی کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔

ارشاد ہو رہا ہے:

وَالْعَصْرِ ۝

"عصر کی قسم"۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝

"تمام انسان گھاٹے میں ہیں"۔

اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

"سوائے اُن انسانوں کے جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے"۔

وَ تَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ

"اور وہ انسان جو ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے ہیں"۔

وَ تَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ﴿۳﴾

"اور وہ انسان جو ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرتے ہیں"۔

عزیزانِ گرامی!

اس عشرۂ مبارکہ میں میرا موضوعِ سخن ہے "انسان"۔ اس لیے کہ پھر وہ زمانہ آگیا ہے جب انسانیت دم توڑ رہی ہے، چاروں طرف سے انسانیت پر حملے ہورہے ہیں اور ہر طرف سے فریاد بلند ہے کہ کون کس وقت ختم ہوجائے۔ کون دہشت گردی کا شکار ہوجائے، کون ظلم و جور کی زد میں آجائے اور کس جگہ، کس ملک میں اور کس علاقہ میں کیا واقعہ ہوجائے؟ اس کے لیے انسان کانپ رہا ہے۔

انسان جو اس کائنات کا دھڑکتا دل ہے اور جس کے واسطے یہ پوری کائنات سجائی گئی ہے افسوس کی بات یہ ہے کہ انسانیت کے رہبروں کو چھوڑ کے انسان خود درندہ بن گیا ہے۔

عزیزانِ گرامی!

میرا موضوعِ سخن اس دفعہ انسان رہے گا۔ یہ ضروری ہے کہ ہم یہ بات سمجھیں کہ انسانیت جو ہے وہ ہر قید و بند سے آزاد ہے۔ کالا ہو یا گورا، غریب ہو یا امیر،

بادشاہ ہو یا غلام، ہندو ہو یا مسلمان، سکھ ہو یا عیسائی، پارسی ہو یا یہودی، چاہے فرقوں میں بٹا ہوا ہو، چاہے مذہبوں میں بٹا ہو، چاہے علاقوں میں بٹا ہوا ہو، چاہے وہ رنگوں میں بٹا ہوا ہو، چاہے نسلوں میں بٹا ہوا ہو لیکن ایک شے سب میں پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ انسان ہے۔

قرآنِ مجید نے انسان کو بڑی اہمیت دی ہے۔ اسلام نے اس کی بڑی عزت کی ہے اور اس کو بڑا رتبہ دیا گیا ہے، اس لیے کہ یہ کائنات انسان ہی کے واسطے سجائی گئی ہے ورنہ نہ کسی کے پاس زبان ہے، نہ کوئی اپنے خیالات کا اظہار کر سکتا ہے، نہ کسی کے پاس کوئی نظریہ ہے، نہ کسی کے پاس فکر ہے۔ جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ فقط انسان کو دیا گیا ہے جہاں تک وجود کا سوال ہے تو پہاڑوں کا وجود بہت بڑا ہے، بہت سے جانور قدوقامت کے لحاظ سے انسان سے کہیں بڑے ہیں، بہت سے درخت اپنے قدوقامت میں انسان سے کہیں بڑے ہیں تو انسان اس کائنات میں ایک ننھا سا مخلوق ہے، لیکن سب کی تاجداری کا تاج اس کے سر پہ رکھ دیا گیا ہے۔ اس کو عقل دے کر، تجرد دے کے، دماغ دے کے، فکر دے کے، ہدایت کا راستہ دکھا کے۔ اب اگر یہ بھٹک جائے اور اس کا خالق کہہ دے کہ یہ پتھروں سے بھی بدتر ہے تو تعجب کیا ہے؟ ـــ (نعرۂ حیدری)

ہم سیاسی وجوہ کی بنا پر، سماجی اسباب کی بنا پر، حکومتوں کے لیے اور اقتدار کے چکر میں انسانوں کو الگ الگ خانوں میں بانٹتے ہیں۔ ہم نے اپنے فائدے کے لیے دیواریں اُٹھائیں، تقسیم ہم نے کی، قرآن میں صاف لفظوں میں ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ (سورۂ ملک: آیت ۱)

"ملک اللہ کا ہے"۔

قرآن نے صاف لفظوں میں کہا ہے:

لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ (سورۂ آل عمران: ۱۸۹)

"زمین کی ملکیت اللہ کے نام ہے"۔

ہم نے اپنے فائدے کے لیے ملکوں کی تقسیم کرلی کہ یہ ملک ہمارا ہے، یہ ملک تمھارا ہے اور بارڈر کے اُوپر خون کی ندیاں بہادیں، اپنے اور پرائے کے چکر میں۔

پانی سب کے لیے ہے اور سمندر سب کے لیے عام ہیں، مگر ہم نے سمندروں کو تقسیم کردیا کہ یہ ہماری سمندری حدود ہیں اور یہ تمھاری سمندری حدود ہیں۔ یہ ہمارا علاقہ ہے اور یہ تمھارا علاقہ ہے۔

اللہ نے مذہب سب کے لیے بھیجا تھا، اسلام صرف مسلمانوں کے لیے نہیں آیا تھا، جس نے اسلام کو مانا وہ مسلمان کہلایا، اسلام انسانوں کے لیے آیا ہے۔

توجہ ہے —— !

یہ کہنا کہ جی اسلام تو مسلمانوں کا مذہب ہے۔

مسلمانوں کا کیا ہے؟!

اسلام تو انسانوں کے لیے آیا تھا، وہ انسان جو جہالت کی دھوپ میں تپ رہے تھے، وہ انسان جو ٹکڑوں میں بٹے ہوئے تھے، وہ انسان جو ریت کے ذرّوں کی طرح منتشر تھے، وہ انسان جو غلاموں اور کنیزوں کو جانوروں سے بدتر سمجھتے تھے۔ وہ انسان جو سودخور تھے، وہ انسان جو شراب پانی کی طرح پیتے تھے، وہ انسان جن کے سماج میں عورت کی کوئی عزت نہ تھی، وہ انسان جو غریب اور کمزور کو جینے کے حق سے محروم کر دیتے تھے، اُن کو آدمی بنانے کے لیے اسلام آیا تھا۔ جنھوں نے مانا وہ مسلمان کہلائے، ورنہ اسلام مسلمانوں کے لیے تھوڑی آیا تھا۔ یہ تصور کہ یہ تو

مسلمانوں کا دین ہے، یہ غلط ہے۔

مسلمان اس کے ہیں نہ یہ کہ یہ مسلمانوں کا ہے۔ مسلمان اِس کے ہیں، یہ مسلمانوں کا نہیں ہے۔ مسلمان اِس کے ہیں اگر مانیں اس کو، اگر قبول کریں اس کو، تو مسلمان اِس کے ہیں۔ یہ کہنا کہ یہ مسلمانوں کا دین ہے، یہ غلط ہے۔

اسلام بیمار انسانیت کے لیے علاج ہے۔ ایک دوا ایجاد ہوتی ہے، ہمارے سامنے بہت سی دوائیں ایجاد ہوئیں۔ اتنی عمر میں ہم نے بہت سی دواؤں کو ایجاد ہوتے دیکھا ہے۔

پہلے T.B ایسا مرض سمجھی جاتی تھی کہ اس کے بارے میں یہ جملہ مشہور تھا کہ یہ تو قبر کھود کے آتی ہے۔ ہمارے لڑکپن میں، نوجوانی میں جس کو T.B ہو جائے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا مرنا تو یقینی تھا۔ اب کب مرے گا؟ یہ معاملہ ہے، لیکن آج کے زمانے میں یہ کوئی مرض ہی نہیں رہا۔ سینکڑوں بیماریاں پھیلتی تھیں۔ شہر کے شہر مرجاتے تھے، دیہات کے دیہات مرجاتے تھے اس طرح سے اور سینکڑوں بیماریاں تھیں۔

سمجھے آپ؟!

وبائی امراض میں لوگ مر مر جاتے تھے، پورے پورے گاؤں کے گاؤں مرجاتے تھے، لیکن اب اُن سب کا علاج دریافت ہو گیا ہے۔ کتنے آدمی آج دنیا میں گھوم رہے ہیں جن میں ایک میں (خود مرزا محمد اطہر) بھی ہوں کہ اگر بائی پاس نہ ہو جاتا تو آج یہاں پڑھنے کے لیے بیٹھا نہ ہوتا۔

مطلب یہ ہے کہ زندہ رہنے کے لیے بھی علاج ضروری ہے۔ تو علاج جو ہے وہ کسی مذہب کے لیے تھوڑی مخصوص ہے۔

دیکھیے!

جو سائنس دان دوا ایجاد کرتا ہے وہ کسی مذہب کے نام رجسٹرڈ تھوڑی ہو جاتی ہے کہ بھائی یہ دوا یورپین کے لیے ہے، اس کے علاوہ کسی کے لیے نہیں ہے۔ یہ امریکن کے لیے ہے، اس کے علاوہ کسی کے لیے نہیں ہے۔ یہ ایشین کے واسطے ہے، یہ انڈین استعمال کر سکتے ہیں، اس کے علاوہ بقیہ دُنیا مرتی ہے تو مرے۔

دیکھیے!

دوا جب ایجاد ہوتی ہے تو وہ انسان کے لیے ایجاد ہوتی ہے، بیماری انسان کے لیے ہوتی ہے، اب جو اس دوا کو استعمال کرے وہ فائدہ اُٹھاتا ہے، جو نہ استعمال کرے وہ مر جاتا ہے ___ (نعرۂ حیدری)

عزیزانِ گرامی!

جس نے انسان بنائے ہیں، سب انسان، خالی مسلمان نہیں، خالی عرب والے نہیں، امریکہ والے بھی، افریقہ والے بھی، یورپ والے بھی، آسٹریلیا والے بھی، ایشیا والے بھی، جس نے یہ سارے انسان بنائے ہیں۔ قرآن کہتا ہے:

خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ (سورۂ تین، آیت ۴)

تو انسانوں کا خالق اللہ ہے، سب انسانوں کا خالق اللہ ہے، ایسا نہیں ہے کہ مجھے کسی اور اللہ نے بنایا ہو اور آپ کو کسی اور اللہ نے بنایا ہو۔ صرف ایک ہی اللہ ہے جس نے سب کو بنایا ہے۔ جب سب کو بنایا اور سب اس کی مخلوق ہیں تو پھر ہم یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہم اسپیشل کلاس کے ہیں۔

اچھا تو اس نے ہمارے لیے دوائیں بھیجیں، جس طریقے سے حکومت کا کام ہے کہ وہ اپنی عوام کی health (صحت) کا خیال رکھے۔ کتنے ہسپتال ہیں، کتنے

انتظامات ہیں، کتنے ٹیسٹ (چیک) ہوتے ہیں، کتنی لیبارٹریاں ہیں، تو یہ سب کا ہے کے لیے؟ — تا کہ یہاں کے شہری جو ہیں وہ صحت مند رہیں، انسانوں کا علاج ہو۔

اچھا پھر ایک ملک کے لوگ علاج کرانے دوسرے ملک میں جاتے ہیں، جہاں بہتر سہولیات ہیں تو وہ اس لیے انکار نہیں کردیتے کہ تم تو ایشیا کے ہو، ہم تمھارا علاج نہیں کریں گے، جو خرچہ برداشت کرتے ہیں وہ جاتے ہیں، کوئی لندن جاتا ہے، کوئی امریکہ جاتا ہے، کوئی کہیں جاتا ہے۔ بہت سے مریض باہر سے ہندوستان آتے ہیں علاج کرانے کے لیے۔

ملکوں کا آپس میں جھگڑا بھی ہوتا ہے مگر مریضوں کے لیے کوئی نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ وہ سیاست دانوں کا کام ہے کہ کس سے ملیں اور کس سے نہ ملیں لیکن ڈاکٹر شکل دیکھ کر علاج نہیں کرتا ہے، وہ مرض دیکھ کر علاج کرتا ہے۔

غور فرمایا آپ نے ؟!

ڈاکٹر شکل نہیں دیکھتا کہ کون ہے؟ اگر آپ انڈین ہیں تو آپ کا علاج ہوگا اگر آپ انڈین نہیں ہیں تو آپ کا علاج نہیں ہوگا۔ جائیے، موت آتی ہے مرجائیے۔

نہیں، ایسا نہیں ہے!

اس کی duty (کام) ہے کہ اس کا علاج کرے وہ چاہے کوئی بھی ہو، باقی وہ سیاسی معاملہ ہے کہ کس کے کس سے تعلقات اچھے ہیں۔ اگر کسی کے تعلقات خراب ہیں وہ الگ معاملہ ہے۔

عزیزانِ گرامی!

اللہ نے جہاں انسان خلق کیے وہاں انسانوں کی صحت کا بھی انتظام کیا۔ وہ بیماریاں جو نفس میں پیدا ہوتی ہیں، وہ بیماریاں جو روح میں پیدا ہوتی ہیں اور وہ

بیماریاں جو کردار میں پیدا ہوتی ہیں اُن بیماریوں کو دُور کرنے کے لیے اللہ نے ہر جگہ پیغمبر بھیجا اور قرآنِ مجید میں اگر ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوںؑ کی list (فہرست) ہوتی تو پریشانی ہوجاتی اور اُس کے اندر اِس کا بھی امکان تھا کہ جب نام بہت ہوتے تو کوئی داخل کردیا، کوئی نکال دیا، لہٰذا ایک اجمالی بات کہہ دی۔

مختصر بات کہہ دی:

اِنَّمَآ اَنۡتَ مُنۡذِرٌ وَّلِکُلِّ قَوۡمٍ ہَادٍ ۝ (سورۂ رعد: آیت ۷)

''اے حبیبؐ! ہم نے آپ کو اللہ کی طرف سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ہم نے ہر قوم کے لیے ہادی بھیجا''۔

لوگ کہتے ہیں: صاحب! عربستان میں سب نبی آئے، ہندوستان میں نہیں آیا کوئی، یورپ میں نہیں آیا، ماسکو میں نہیں آیا کوئی، امریکہ میں نہیں آیا۔

قرآنِ مجید اس اعتراض کی تردید کررہا ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَّلِکُلِّ قَوۡمٍ ہَادٍ ۝ (سورۂ رعد: آیت ۷)

''جہاں جہاں انسان تھے وہاں وہاں ہادی آیا''۔

جہاں جہاں انسانی وجود تھا وہاں وہاں رہبر بھیجا گیا۔

تباہی کہاں سے آئی؟

دیکھیے!

ایک ڈاکٹر ایسا آیا، اس نے ایک ایسی دوا بتائی کہ جو ہر مرض کے لیے فائدہ مند ہے۔ انھوں نے کہا: بھئی! یہ دوا ہم نے زندگی بھر کی محنت سے ایجاد کی ہے۔ اگر آنکھیں خراب ہیں تو اس کو استعمال کرو، ٹھیک ہوجائیں گی۔ کڈنی میں گڑبڑ ہے تو اس کو استعمال کرو، ٹھیک کردے گی۔ دماغ میں کوئی تکلیف ہے تو اس کو استعمال کرو،

ٹھیک ہو جاؤ گے۔ شوگر ہے تو اس کو استعمال کرو، ٹھیک ہو جاؤ گے۔ تمھارے گھٹنوں میں درد رہتا ہے، منبر پر چڑھ نہیں پاتے ہو، تم یہ دوا پیئو تو بالکل جوانوں کی طرح چڑھ جاؤ گے منبر پر۔

جناب!— اب جو یہ دوا چلی جس نے استعمال کی وہ اچھا ہو گیا۔ جو عداوت کی آگ میں جل رہے تھے اسلام کی دوا پی کر ایسے اچھے ہوئے کہ نماز جماعت میں ایک کے پیروں کے پاس دوسرے کا سر ہے۔ جو تلواریں لیے ہوئے میدانِ جنگ میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے آتے تھے عید کے موقع پر ایک دوسرے سے گلے مل رہے ہیں، مبارکباد دے رہے ہیں۔ تو جو لوگ قاعدے کے تھے، اچھے لوگ تھے، اُن کو تو یہ بات بہت اچھی لگی۔ انھوں نے کہا: صاحب! یہ تو بڑا معجزہ ہو گیا۔ کیا بات ہے۔

ایک گروہ وہ بھی تھا جس کی آمدنی اس بات سے ہوتی تھی کہ وہ مُردے اُٹھاتا تھا، دوائیں بیچتا تھا، قبریں بنواتا تھا، اس سے پیسے کماتا تھا۔ اِن سب کی دکانیں ٹھنڈی ہو گئیں اس لیے کہ دوا پی کے لوگ اچھے ہونے لگے۔ اب لوگ مر ہی نہیں رہے ہیں، نوے نوے برس ہو گئے موت کا نام ہی نہیں لیتے۔

کہا: صاحب! کیا بات ہے آپ تو بیمار ہی نہیں پڑ رہے۔

کہا: ہاں بھئی! ہم نے ایک دوا پی لی ہے جس سے ہم صحت مند ہو گئے، ورنہ ہمیں تو کوئی اُمید ہی نہیں تھی بچنے کی۔ اب تو ہم چلتے پھرتے ہیں۔

وہ جو دوائیں بیچتے تھے ان کی دکانیں بھی ٹھنڈی ہو گئیں۔ جو قبریں کھودتے تھے اُن کی دکانیں بھی ٹھنڈی ہو گئیں، جو کفن کا کاروبار کرتے تھے اُن کی دکانیں بھی ٹھنڈی ہو گئیں۔ اب ان لوگوں نے سر جوڑ کر یہ پروگرام بنایا کہ اس دوا کی مخالفت کی جائے۔

کہا: مخالفت کیا کریں گے۔ مخالفت کریں گے تو پٹیں گے اس لیے کہ جتنے اس سے اچھے ہوئے ہیں وہ سب ہمارے خلاف کھڑے ہو جائیں گے، لاٹھیاں لے لے کے، مخالفت کامیاب نہیں ہوگی۔

خیر!

بہت سمجھنے بوجھنے کے بعد ایک ترکیب سمجھ میں آئی۔

کہا: شیشی ایسی ہو، لیبل ایسا ہو، رنگ بھی ایسا ہو، کوئی فرق نہ ہو مگر اس کے اندر ایسا slow poison (میٹھا زہر) ملاؤ کہ دو تین شیشیاں پی کر آدمی مر جائے۔

جب لوگ مرنے لگیں گے تو یہ ہوگا کہ شروع میں تو فائدہ کرتا ہے لیکن بعد میں آدمی مرجاتا ہے، اس طرح دوا بدنام ہو جائے گی اور ہماری دکانیں پھر سے چل جائیں گی۔

لیجیے سامعین!

پوری سازش تیار ہوگئی اور دو نمبر دوا بنا دی گئی اور مارکیٹ میں لے آئے۔ رنگ، وہی، شکل وہی، شیشی وہی، لیبل وہی لیکن اندر سے مال بدلا ہوا۔

بس عزیزانِ گرامی!

اسلام کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ سب کچھ وہی ہے، وہی اللہ اکبر ہے، وہی لا الٰہ الا اللہ ہے، وہی محمد رسول اللہ ہے، سب کچھ وہی ہے، اندر سے ملوکیت اور سلطنت کا زہر ملا دیا گیا ـــــ (نعرۂ حیدری)

یہ زہر سے ملی ہوئی دوا پی رہے ہیں اسلام کے نام پر، جو داعش اور طالبان بن گئے ہیں ـــــ (نعرۂ حیدری)

یہ اسلام جو بدنام ہو رہا ہے، یہ مذہب کے اُوپر جو وار ہو رہے ہیں، یہ کیا معاملہ ہے؟ دوا وہی ہے صورت میں، نام وہی اسلام کا ہے مگر انسانیت دم توڑ رہی ہے

اس کو پی کے۔ انسان مر رہا ہے اس کو پی کے۔

عزیزانِ گرامی!

بس یہی مسئلہ ہے۔ محرم الحرام کو سمجھ لیجیے یہی سے کہ جب کسی کمپنی کا ایجاد بہت زیادہ چل جاتا ہے، اس کی کوئی نقل بناتا ہے، برا تو سب کو لگتا ہے لیکن ہر ایک عدالت میں نہیں پہنچ جاتا، جس کی کمپنی ہے وہ ہی فریاد کرتا ہے کہ ہمارے مال کی نقل بنائی جارہی ہے۔

اب سمجھے آپ!

جب اسلام کے نام پر بنامِ اسلام زہر پلایا جانے لگا تو سارے مسلمانوں نے سنا، ہوسکتا ہے بہت سے مسلمانوں کو برا لگا ہو مگر کسی کے گھر کا اسلام نہیں تھا جو وہ بولتا، جس کے گھر کا تھا وہ بول پڑا، حسینؑ آگئے میدان میں ــــ (نعرۂ حیدری)

عزیزانِ گرامی!

اسی لیے وہ عظیم قربانی مجمع عام میں پیش کی گئی تاکہ ہر ایک کی سمجھ میں بات آجائے ورنہ مدینہ میں خاموشی سے امام حسینؑ کو زہر دے دیا جاتا اور پھر اس کو تاریخ کی سازشوں میں چھپا دیا جاتا یا مکہ میں حج کے موقع پر کوئی ایسا واقعہ کر دیا جاتا کہ چراغِ امامت بجھ جائے اور اس کو پرانی دشمنی یا خاندانی عداوت کا نتیجہ قرار دے دیا جاتا۔ معلوم نہیں کون تھا، کیا چکر تھا، کیا تھا ــــ ہزاروں تاویلیں کر ڈالتے لکھنے والے۔

کہا: نہیں۔ یہ واقعہ مدینہ میں نہیں ہوگا۔ مدینہ چھوڑ دو۔ یہ واقعہ مکہ میں بھی نہیں ہوگا۔ زمینِ حرم پر میرا خون نہ بہے۔ میں کربلا کے میدان میں سب کو جمع کروں گا تاکہ صبحِ قیامت تک کے لیے، نسلوں کے سامنے ایک نمونہ آجائے۔

کربلا کی لڑائی کا فلسفہ کیا ہے؟

کبھی سوچیے آپ!

ہر انسان کو سوچنا چاہیے، ہر مسلمان کو سوچنا چاہیے کیا کربلا کی لڑائی اس بات پر لڑی جارہی تھی کہ اللہ ایک ہے کہ نہیں؟

نہیں! اس بات پر نہیں۔ دونوں طرف کے لوگ بظاہر یہ کہہ رہے تھے کہ اللہ ایک ہے۔

کیا کربلا کی لڑائی اس بات پر لڑی جارہی تھی کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں کہ نہیں؟

نہیں! سب محمدؐ رسول اللہ کہہ رہے تھے۔

کیا کربلا کی لڑائی اس لیے لڑی گئی کہ نماز واجب ہے کہ نہیں؟

نہیں! اس بات پر نہیں لڑی گئی۔ نماز کے سب قائل تھے۔

کیا کربلا کی لڑائی اس لیے لڑی گئی کہ کعبہ محترم ہے کہ نہیں؟

نہیں! ایسا کچھ نہیں۔ اس بات پر نہیں۔

کیا کربلا کی لڑائی کا موضوع یہ تھا کہ قرآن آسمانی کتاب ہے کہ نہیں؟

ایسا بھی کچھ نہیں، اس بات پر بھی نہیں۔

پھر یہ کیوں لڑی جارہی تھی؟

لڑی اس بات پر جارہی تھی کہ اسلام کی قیادت یزید کا حق ہے کہ حسینؑ کا؟

آج آہستہ آہستہ چہروں سے نقابیں اُٹھ رہی ہیں، شہادتِ حسینؑ نے اتنا بدنام کردیا تھا اُنھیں کہ تیرہ سو برس تک چہروں سے نقابیں اُٹھ نہ سکیں۔ اب دھیرے دھیرے وہ صورتیں پھر سامنے آرہی ہیں اور وہ نظریات پھر سامنے آرہے ہیں۔ آج امام حسینؑ تو نہیں ہیں لیکن امام حسینؑ کی دشمنی ہم سے نکالی جارہی ہے۔ قتلِ عام ہورہا ہے، انسانیت کا خون بہایا جارہا ہے، مسجدیں محفوظ نہیں ہیں۔ امام بارگاہیں محفوظ نہیں

ہیں، جلوس محفوظ نہیں ہیں۔

سب کچھ ہو رہا ہے — یہ کس لیے ہو رہا ہے؟

یہ یزید کی محبت اور حسینؑ کی عداوت میں ہو رہا ہے۔ آپ اس میں اپنے مولاؑ کی تعریف کیجیے کہ امام حسینؑ اپنے چاہنے والوں کو محرم کے نام پر وہ ہتھیار دے کر گئے کہ جو چودہ سو برس سے لڑ رہا ہے۔

عزیزانِ گرامی!

ہر سال محرم آ کر اسلام کو زندہ کرتا ہے۔

دیکھیے!

یہ بھی عزاداروں کا فرض ہے کہ وہ اپنے محلے والوں کو، اپنے ملنے جلنے والوں کو، اپنے کاروباری دوستوں کو، اپنے پڑوسیوں کو، دفتر میں اپنے ساتھ کام کرنے والوں کو یہ بتائیں کہ محرم کیا ہے؟ خالی ہم مجلسوں میں آ کر اپنا فریضہ پورا نہیں کر رہے ہیں۔ ہمارا فریضہ یہ بھی ہے کہ ہم یہ بتائیں کہ اسلام وہ نہیں ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔ اسلام وہ نہیں جس کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے۔ اسلام بادشاہوں کا کردار نہیں ہے۔ اسلام کشور کشائی کرنے والوں کا کردار نہیں ہے، اسلامی کردار سمجھنا ہے تو اماموںؑ کا کردار سمجھو۔ اسلام کو سمجھنا ہے تو مذہب کے دائرے میں رہ کر نہ سمجھو، انسانیت کے دائرے میں رہ کر سمجھو۔

دیکھیے!

جو ہمارا دشمن ہے وہ بھی انسان ہے۔ جو ہمارا قاتل ہے وہ بھی انسان ہے، جو ہمارا مخالف ہے وہ بھی انسان ہے، تو مخالفت کی بھی ایک حد ہوتی ہے اور اس کے بعد پھر انسانیت آگے بڑھتی ہے۔ کہتی ہے لاکھ مخالفت سہی مگر انسانیت کے نام پر دھبہ نہ

آنے پائے۔

عزیزانِ گرامی!

یہ بات آسانی سے آپ سمجھ نہیں سکتے تھے اگر امام حسینؑ نے حر کے لشکر کو پانی نہ پلایا ہوتا۔

کہاں ہیں دُنیا کے دانشور؟ کہاں ہیں دُنیا کے Thinkers (اہلِ فکر)؟

اس کی مثال تاریخ میں ڈھونڈ کے لائیں کہ کیا کوئی اتنا شریف دشمن بھی ہو سکتا ہے، جو اس کو معلوم ہے کہ یہ اس کے دشمن کا لشکر ہے۔ یہ لشکر مجھے قتل کرنے آیا ہے، یہ لشکر میرا خون بہانے آیا ہے، یہ لشکر مجھے، میرے ساتھیوں اور میرے بچوں کو مار ڈالنے آیا ہے مگر عرب کے صحرا میں پیاسا ہے۔ وہ سب کچھ صحیح ہے جو اس کے ارادے ہیں وہ بھی معلوم ہیں۔ جن کے لوگ ہیں یہ وہ بھی معلوم ہے مگر ان سب باتوں کے باوجود بھی یہ پیاسا ہے۔

عزیزانِ گرامی!

پیاس انسانیت کا تقاضا ہے، مذہب کا نہیں۔ پیاس نماز کی طرح نہیں ہے کہ جو مسلمان سویرے اُٹھتے ہیں کہ نماز پڑھو، نماز کا وقت آ گیا، سورج ڈھل گیا، نماز پڑھو، نماز کا وقت آ گیا، سورج ڈھل گیا، نماز پڑھو۔ نماز کا وقت آ گیا، نماز ادا ہو رہی ہے۔ پیاس اس طرح نہیں ہے۔ بھوک اس طرح نہیں ہے۔ پیاس آدمی کو لگتی ہے، نماز خالی مسلمان پڑھتا ہے، پیاس کے لیے یہ نہیں ہے کہ ہندو کو پیاس نہیں لگتی، بس مسلمان ہی پانی پیتے ہیں، عیسائی تو پیتے ہی نہیں پانی پوری زندگی۔

ایسا نہیں ہے، جو انسان ہے، کالا، گورا، غریب، امیر، اس کو پیاس لگتی ہے تو پیاس جو ہے وہ انسانی ضروریات میں سے ایک چیز ہے، لہٰذا اگر پیاسوں کو پانی نہ دیا

جائے تو انسانیت کے نام پر داغ لگے گا۔

اب سمجھے آپ؟!

امام حسینؑ جانتے تھے کہ حُر کا لشکر پیاسا ہے اور عرب کے صحرا کی پیاس، جس میں پیاس کے مارے دم نکل جاتا ہے۔

اپنے دوستوں، اپنے عزیزوں، اپنے بھائیوں اور اپنے بھتیجوں کو حکم دیا کہ پانی پلاؤ۔ اُنھوں نے پانی پلانا شروع کیا۔ کوئی شرط نہیں ہے کہ تم ہم سے نہ لڑنے کا وعدہ کرو تو ہم پانی پلائیں گے۔ تم خاموشی سے واپس چلے جانے کا وعدہ کرو تو ہم پانی پلائیں گے۔

ایسی کوئی شرط نہیں ہے ـــــ تم آدمی ہو، پیاسے ہو، لہٰذا پیو پانی۔

پی رہے ہیں پانی لوگ، دو ہزار آدمیوں نے پانی پیا۔ اتنا ذخیرہ تھا حسینؑ کے پاس پانی کہ دو ہزار آدمیوں نے پیا۔ اس کے اندر ایک شخص تھا جس نے اپنا واقعہ بیان کیا ہے۔ تاریخ نے تفصیل سے اس کا واقعہ لکھا ہے۔ ایک آدمی تھا اسی لشکر کا کہ اس کا نام تھا: علی ابن طاعان محاربی۔

وہ کہتا ہے: مجھ کو ایک آدمی نے مشک دی پانی کی۔ میں اتنا بدحواس ہو گیا اور اتنا پیاسا تھا کہ میرا دم نکل رہا تھا کہ اس بے ڈھنگے طریقہ سے میں نے مشک کو کھولا کہ سارا پانی بہہ گیا اور میں پانی نہ پی سکا۔ گھبراہٹ تھی، برا حال تھا اور دم نکل رہا تھا۔ پانی بہہ گیا مشک کا، چھوٹی چھوٹی مشکیں تھیں۔ میں پانی نہ پی سکا۔

وہ کہتا ہے: ایک آدمی نے مجھے دوبارہ مشک دی۔ میری وہی حالت تھی۔ میں نے اس مشک کا پانی بھی بہا دیا۔

وہ کہتا ہے: ایک صاحب کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے اور یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

وہ خود اُٹھے، اُنھوں نے آدمی سے مشک لی، مشک کو کھولا اور مجھے اپنے ہاتھ سے اُنھوں نے پانی پلایا۔۔ میں سیر ہو گیا۔ میری پیاس بجھ گئی۔ میں نے اطمینان سے پانی پی لیا اور میری زندگی بچ گئی۔

اس کے بعد کہتا ہے: میں نے ایک شخص سے پوچھا کہ یہ صاحب جو کرسی پر بیٹھے ہیں یہ کون ہیں؟

جواب ملا کہ ارے تم ان کو نہیں جانتے؟

وہ کہتا ہے: میں نے کہا کہ میں نہیں پہچانتا کہ یہ کون صاحب ہیں۔

کہا: یہی تو حسینؑ ابن علیؑ ہیں جنھوں نے تمھیں پانی پلایا ہے۔

عزیزانِ گرامی!

جب تک دنیا میں انسانیت رہے گی، اس وقت تک یہ واقعہ سنگ میل بن کے رہے گا کہ اس طریقے سے دشمن کو پانی پلا کر امام عالی مقامؑ نے انسانیت کا سر اُونچا کیا۔ یہ اسلام ہے۔ یہ رسول اللہؐ کی تعلیم ہے، یہ مذہب ہے جو امام حسینؑ نے پیش کیا اور اس واقعہ کے گیارہ دن کے بعد یہی حسینؑ اِن لوگوں کے سامنے اپنے چھے مہینے کے بچے کو لیے کھڑے تھے اور کہہ رہے تھے:

"اگر میں نے کوئی خطا کی ہے تو بتاؤ لیکن بچہ تو معصوم ہے، یہ تو ماں کو ماں بھی نہیں کہہ سکتا، اس کو دو گھونٹ پانی پلا دو، ورنہ یہ پیاس سے مر جائے گا"۔

عزادارو!

حسینی اسلام نے پانی پلایا، یزیدی اسلام نے بچے کے گلے میں تیر مارا۔ بچے نے باپ کی گود میں دم نہیں توڑا، انسانیت نے دم توڑ دیا، شرافت نے دم توڑ دیا۔

چھے مہینے کے بچے سے عداوت اور وہ بھی جو تین دن سے پیاسا ہو، ان کی طرف سے دو بوند پانی بھی نہ نکلا جن کی طرف نہر بہہ رہی تھی۔

ذکرِ مصائب: (دعبلؒ کا مرثیہ)

عزیزانِ گرامی!

محرم کا چاند آسمان پر نمودار ہو گیا اور امام حسینؑ کو یاد کرنے اور ان پر رونے کے دن آ گئے۔ ہمارا امامؑ دس دن کا مہمان رہے گا۔ دس دن ہم فاطمہ زہراؑ کو پُرسہ دیں گے، دس دن ہم رسولؐ کے گھرانے کا ماتم کریں گے، دس دن ہم غم منائیں گے۔

عزادارو!

روایت میں ہے کہ محرم الحرام کی پہلی تاریخ تھی۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام محزون و مغموم بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؑ کی خدمت میں دعبلؒ خزاعی حاضر ہوئے۔ امامؑ نے دعبلؒ کو دیکھا۔ دعبلؒ محبِ اہلِ بیتؑ تھے اور عرب کے مشہور شاعر تھے۔

امامؑ نے ارشاد فرمایا: دعبلؒ! تمھیں معلوم ہے کہ آج محرم کی پہلی تاریخ ہے؟

عرض کیا: ہاں یا ابن رسولؐ اللہ! مجھے معلوم ہے۔

امامؑ نے فرمایا: دعبلؒ! کیا تم نے ہمارے جد کا کوئی مرثیہ بھی کہا؟

دعبلؒ نے ہاتھ جوڑے، عرض کیا: آقا! مرثیہ ہی تو کہہ کے لایا ہوں، آپؑ کی خدمت میں سنانے کے لیے۔

فرمایا: اچھا! تم مرثیہ کہہ کے لائے؟

عرض کیا: ہاں مولاؑ! میں مرثیہ لایا ہوں۔

فرمایا: اچھا دعبلؒ! دو منٹ ٹھہرو میں انتظام کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر امامؑ بہ نفسِ

نفیس خود اُٹھے اور اپنے دستِ مبارک سے پردہ آویزاں کیا۔ سیدانیوں کو اندر جاکر اطلاع دی کہ بیبیو! پسِ پردہ آکر بیٹھو دعبلؒ آئے ہیں تمہارے جد کا مرثیہ کہہ کے لائے ہیں۔ مجلسِ عزاء برپا ہورہی ہے، تم بھی شریک ہوجاؤ۔

عزادارو!

سیدانیاں پسِ پردہ آکر تشریف فرما ہوئیں۔ امامؑ اپنے اصحابِ باوفا کے ساتھ تشریف فرما ہوئے اور دعبلؒ کو حکم دیا: دعبلؒ! اب مرثیہ شروع کرو۔

دعبلؒ نے مرثیہ شروع کیا:

اَفَاطِمُ قَوْمِیْ یَا ابْنَۃَ الْخَیْرِ وَانْدُبِیْ

نُجُوْمَ سَمَاوَاتٍ بِاَرْضٍ فَلَاتٍ

''اے فاطمہؑ! اے خیر خلق کی بیٹی! اُٹھیے اور اُٹھ کر یہ منظر دیکھیے کہ آسمانِ عزت کے ستارے زمین پر بکھرے پڑے ہیں''۔

اس کے بعد اس نے مصائب کے کچھ شعر پڑھے اور ان اشعار میں اہلِ بیتؑ کی مصیبت نظم کی اور پھر آخر میں جو شعر تھے وہ یہ تھے:

''کوئی نجف میں سو رہا ہے، کوئی کربلا میں سو رہا ہے، کوئی مدینہ میں آرام کر رہا ہے اور کوئی بغداد کی زمین پر سو رہا ہے''۔

یہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی وفات کے بعد کا کہا ہوا مرثیہ ہے اور خود امام رضا علیہ السلام کی زندگی کا مرثیہ ہے۔ دعبلؒ نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی قبر تک کا اپنے مرثیہ میں تذکرہ کیا۔ اس کے بعد مرثیہ تمام کر دیا لیکن آخر میں امام رضا علیہ السلام نے ایک شعر بڑھا دیا:

وَقَبْرٍ بِطُوْس

''ایک قبر زمینِ طوس پر ہے''۔

ہائے اس کی مصیبت جو سب سے دور سو رہا ہے۔

عزادارو!

دعبلؒ نے شعر تو پڑھ دیا، ظاہر ہے کہ امامؑ نے شعر کہہ کے دیا تو پڑھ دیا۔ اس کے بعد ہاتھ جوڑے اور کہا: یابن رسول اللہ! میں آپؑ کے گھر کا پرانا خادم ہوں۔ آپؑ ہی کے گھر سے وابستہ رہا، کسی دوسرے کے گھر سے نہیں لیکن تعجب ہے کہ آج تک مجھے نہ معلوم ہوا کہ زمین طوس پر کس کی قبر ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: دعبلؒ! تو صحیح کہتا ہے، تجھے کہاں سے معلوم ہوتا، زمین طوس پر تو میری قبر بنائی جائے گی۔ میں اپنی شہادت کی خبر دے رہا ہوں۔

عزادارو!

غضب یہ ہوا کہ دعبلؒ نے شعر دوبارہ پڑھ دیا۔

بس!

شعر کا دوبارہ پڑھنا تھا کہ اندر سے ایک کنیز آئی، اس نے کہا: دعبلؒ! چپ ہو جاؤ امام رضا علیہ السلام کی بہن کو غش آ گیا ہے، بھائی کی شہادت کی خبر نہیں سن سکیں۔

ہائے!

امام حسین علیہ السلام کی بہن جس نے بھائی کے سر کو نوک نیزہ پر دیکھا، بھائی کو ذبح ہوتے ہوئے دیکھا۔

ہائے!

امام حسین علیہ السلام کی بہن جو بھائی کے سر کے ساتھ کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ○

مجلسِ دوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعَصْرِ ۝١ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝٢ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝٣

ارشادِ رب العزت ہے:

وَالْعَصْرِ ۝١ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝٢

''عصر کی قسم! تمام انسان گھاٹے میں ہیں''۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝٣

''سوائے ان کے جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے اور وہ لوگ جو ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے ہیں اور وہ جو ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرتے ہیں''۔

عزیزانِ گرامی!

میں نے کل کی مجلس میں یہ بات آپ کی خدمت میں عرض کی تھی کہ اس سال عشرۂ مبارکہ کا موضوع ''حسینؑ: شہیدِ انسانیت'' ہے۔ اس لیے کہ اس دنیا میں آدمی سب کچھ ہو سکتا ہے، لیکن بہت مشکل ہے کہ انسان بھی ہو۔ کیونکہ انسان ہونا آسان کام نہیں ہے۔ اللہ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر بھیجا ہے اور پوری کائنات

اس انسان کے واسطے سجائی ہے۔

وہ لوگ جو انسانوں کو خانوں میں بانٹتے ہیں اُنھوں نے درحقیقت ٹھیک سے اللہ کی رحمانیت اور رحیمیت کو پہچانا ہی نہیں ہے۔ انسان کو خانوں میں نہ بانٹیے بلکہ انسان کو انسان ہی رہنے دیجیے۔

اللہ نے اپنی نعمتیں کسی ایک قوم، کسی ایک علاقے، کسی ایک مذہب اور کسی ایک زبان کے بولنے والے کے لیے نہیں بھیجیں۔ آسمان سے اَبرِ کرم برستے ہیں تو سب کی کھیتیاں سیراب ہوتی ہیں، ہوائیں چلتی ہیں تو سب کے جسم میں لگتی ہیں۔ دریا بہتے ہیں تو ہر ایک کی پیاس کو بجھاتے ہیں۔ پھول کھلتے ہیں تو ہر ایک کو اچھے لگتے ہیں۔ کھانا بنتا ہے تو ہر ایک اس کا ذائقہ محسوس کرتا ہے۔ یہ انسانیت ہے اور انسان کے واسطے پوری دنیا سجائی گئی ہے۔ اس پوری دنیا کو سجا کر اس میں انسان کو بھیجا، اپنا نائب بنایا اور یہ کہا کہ سب کچھ تمھارے لیے ہے، لیکن تم ہمارے لیے ہو جاؤ۔ تم ہمارے ہو جاؤ باقی سب کچھ تمھارے لیے ہے اور تم جتنا جتنا ہماری طرف بڑھتے جاؤ گے اتنا اتنا کائنات تمھارے آگے سر جھکاتی جائے گی۔ اگر تم ہم سے بغاوت کرو گے تو ہو سکتا ہے کہ یہ ہماری چھوٹی موٹی مخلوق تم سے بغاوت کریں لیکن جب تم ہمارے آگے سر جھکا دو گے تو کائنات کا ذرہ ذرہ تمھارے سامنے سر جھکا دے گا۔ اگر تم چاہو گے تو تمھارے سامنے پتھر بولے گا، درخت چلے گا، ستارہ اُترے گا۔۔۔ (نعرۂ حیدری)

عزیزانِ گرامی!

کائنات تمھارے لیے ہے، لیکن تم ہمارے لیے بن جاؤ اور تم کائنات کے ذرّے ذرّے پر ہم تمھیں حکمرانی دیں گے۔ کائنات کے ذرّے ذرّے کو تمھارا تابع بنا دیں گے۔

انسان کو یوں سمجھ لیجیے کہ ایک جسم ہے، لیکن اس جسم کے اندر اعضاء کے نام الگ الگ ہیں۔ ہاتھ، پیر، سر، دل، دماغ، جگر، مختلف اعضا، جو اندرونی ہیں، ان کے بھی کام الگ الگ ہیں اور باہر کے اعضاء جو ہیں ان کے بھی کام الگ الگ ہیں۔ آنکھیں دیکھنے کے لیے ہیں۔ کان سننے کے لیے ہیں، زبان بولنے کے لیے ہے، قدم راستہ طے کرنے کے لیے ہیں، ہاتھ کام کاج کرنے کے لیے ہیں، دماغ سوچنے کے لیے ہے، دل زندگی کی ہر حرکت اور برکت کو باقی رکھنے کے لیے ہے۔ تمام چیزیں اپنی اپنی جگہ الگ الگ کام کر رہی ہیں لیکن اگر کسی ایک عضو میں بھی کوئی خرابی پیدا ہوتی ہے تو پورا جسم، پورا بدن متاثر ہوتا ہے۔ راستہ چلتے چلتے عاشورہ کے دن اکثر لوگ پیدل چلتے ہیں، ننگے پاؤں چلتے ہیں، پابرہنہ چلتے ہیں، پیر میں کیل چبھ گئی، زمین پہ ایک کیل پڑی ہوئی تھی وہ پیر میں چبھ گئی۔ چبھی تو پیر میں مگر پورا جسم حرکت میں آ گیا۔ پوری body کے system پر اس کا اثر پڑا۔ سر جھکا، آنکھوں نے دیکھا، دماغ نے محسوس کیا، ہاتھ نے جلدی سے اس کو نکالا، سب ایک دوسرے سے رابطے میں ہیں۔ ہر ایک الگ الگ دیکھنے میں تو ہے مگر ان میں آپس میں کوئی تعصب نہیں ہے کہ ہاتھ کیوں جائے، پیر کیوں اُٹھے، آنکھیں کیوں دیکھیں، دماغ کیوں محسوس کرے؟ ہم سے کیا مطلب؟ ویسے ہی پوری دُنیا میں انسانیت عام ہے اگر ایک انسان بھی تکلیف میں ہے تو پوری انسانیت کو بے چین ہونا چاہیے ــــ (نعرۂ حیدری)

عزیزانِ گرامی!

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم انسانوں کی انسانیت کو آواز دیں، ہم نہ مذہب کے نام پر پکاریں گے کہ اے مسلمانو! ہماری بات کا جواب دو، نہ ہم ملک کے نام پر پکاریں گے کہ اے ہندوستانیو! ہماری بات کا جواب دو، نہ ہم رنگ کے نام سے

پکاریں گے کہ حبشیو! ہماری بات کا جواب دو اور نہ ہم زبان کے نام سے پکاریں گے کہ اے فلاں زبان بولنے والو! ہماری بات کا جواب دو۔ ہم ہمیشہ انسانیت کے نام پر پکارنا چاہتے ہیں اس لیے کہ اسلام کی تعلیم جو ہے وہ انسانیت ہے۔ اسلام نے آنے کے بعد سب سے پہلے لاالٰہ الا اللہ کہلوانے سے پہلے جو چراغ روشن کیا وہ انسانیت کا چراغ تھا۔

عربستان میں انسانیت دم توڑ رہی تھی اور تمام وہ بیماریاں موجود تھیں جو انسان کو انسانی زندگی سے محروم کرتی ہیں لیکن اللہ نے اس کے اُوپر کرم یہ کیا کہ انسانیت کے سب سے بڑے رہبر کو اسی علاقے میں بھیجا جس علاقے میں سب سے زیادہ بیماری پھیلی ہوئی تھی اور اس لیے اس علاقے میں بھیجا گیا سب سے بڑے طبیب کو کہ یہ اپنے اخلاق کی دوا پلا کر ان کو انسانیت کا سبق دے گا۔

عزیزانِ گرامی!

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اخلاق کی دوا سے انسانوں کی اصلاح شروع کی۔ سرکارِ مبارکؐ کی عمر مبارک جو ہے تریسٹھ برس ہے۔ تریسٹھ برس میں تعلیم اسلام ہم جس کو کہتے ہیں اور تبلیغ جس کا نام رکھتے ہیں اس کا حصہ تیئس برس ہے اور بقیہ عمر شریف جو ہے جس کے اندر اعلانِ رسالت نہیں فرمایا تھا وہ چالیس سال ہے یعنی تبلیغ کا عرصہ کم ہے اور اعلانِ رسالت سے پہلے کا عرصہ جو ہے وہ زیادہ ہے۔

یہ چالیس سال عرب کے اس ماحول میں گزارے جس کے اندر ظلم تھا، جور تھا، قتل تھا، خون تھا، شراب تھی، بت پرستی تھی، گناہ تھے، معصیتیں تھیں، کردار کی خرابیاں تھیں۔ کیا کیا تھا۔ کچھ ایسی باتیں ہیں جو منبر سے پڑھ سکتا ہوں اور کچھ ایسی باتیں ہیں جو منبر سے نہیں پڑھ سکتا۔

بہر حال!

انسانیت کا دامن داغدار تھا۔ چالیس سال اس ماحول میں رہ کر اپنے اَخلاق کی شمع جلائی اور ایسے ماحول میں رہے کہ جس کے اندر بُرائیاں ہی بُرائیاں تھیں۔ جھوٹوں میں رہے، لیکن ہمیشہ سچ بولا۔ ظالموں میں رہے مگر ہمیشہ مظلوم کا ساتھ دیا۔ خائنوں میں رہے مگر امانت دار بن کر رہے، بدکرداروں میں رہے مگر اچھے کردار کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ خراب لوگوں میں رہے مگر اچھائیوں کا نمونہ بن کر رہے۔ گویا دُنیا کو جتلا دیا کہ ایک انسان کا صحیح کردار زمانے سے متاثر ہوتا نہیں ہے بلکہ زمانے کو اپنے سے متاثر بناتا ہے۔ یہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چالیس سال تک اپنے کردار سے انسانوں کو انسانیت کی دعوت دی اور ان کے اندر ہر اچھے بُرے، نیکی و بدی، خیر و شر کی تمیز پیدا کر دی۔ اُنھوں نے انسانیت کا ہر جگہ خیال رکھا، اُنھوں نے کبھی بھی انسان کی اَنا کو مجروح نہیں ہونے دیا۔ اُنھوں نے کبھی انسان کو ذلیل نہیں ہونے دیا۔

دیکھیے!

آج مذہب کے نام پر قتل ہوتے ہیں، آج مذہب کے نام پر تعصب برتے جاتے ہیں۔ آج مذہب کے نام پر ایک دوسرے کی جان لی جاتی ہے۔ آج مذہبی جذبات جب بھڑکتے ہیں تو انسانیت کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔

عزیزانِ گرامی!

یہ سیاست کے کھیل ہیں جو انسان کو انسان سے لڑوا کر اپنا مقصد پورا کرتے ہیں اور یہ کھیل آج کے نہیں ہیں یہ دُنیا میں ہمیشہ سے ہوتے آئے ہیں۔ یہ تاریخ نئی نہیں ہے بلکہ یہ تاریخ پرانی ہے جب انسان انسان کو قتل کرتا رہا ہے۔ انسان انسان کا خون بہاتا رہا ہے۔ انسان انسان پر ظلم کرتا رہا ہے۔ کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ

دودھ کا دُھلا انسان ہے۔ اپنے اپنے موقع پر ہر ایک نے ظلم کی گرم بازاری رکھی۔ شہروں کو جلا دینے والے بھی انسان ہیں، بمباری کر کے پورے علاقوں کے وجود کو ختم کر دینے والے بھی انسان ہیں، سروں کے مینار بنانے والے بھی انسان ہیں، انسانوں کو بسوں سے اُتار کر بے گناہوں کو مار ڈالنے والے بھی انسان ہیں، جھوٹی افواہوں پہ جان لینے والے بھی انسان ہیں۔

عزیزانِ گرامی!

یہ انسان نہیں ہیں بلکہ انسانیت کے رُوپ میں درندے ہیں۔ جس طریقے سے کہ فینسی ڈریس شوز ہوتے ہیں اور اس کے اندر لباس پہن پہن کر مختلف صورتیں بنا کر لوگ آتے ہیں کہ بچے کو داڑھی لگا دی، مونچھیں لگا دیں، سفید داڑھی لگا دی۔ ایسے لگا جیسے بوڑھا چلا آ رہا ہے۔ ہے وہ کمسن بچہ بارہ برس کے لیکن دیکھنے میں اسی برس کا بوڑھا محسوس ہو رہا ہے۔ مختلف قسموں کے جانوروں کے لباس پہنائے جاتے ہیں، کوئی چیتا بنا ہوا ہے، کوئی شیر بنا ہوا ہے، کوئی بھیڑیا بنا ہوا ہے۔ یہ سب چیزیں، یہ سب کھیل ہوتے ہیں۔ ویسے دُنیا میں انسانیت کے نام پر کھیل ہے انسانیت کے لباس پہن کر کوئی بھیڑیا ہے، کوئی شیر ہے، کوئی سانپ ہے ــــ (نعرۂ حیدری)

سمجھے آپ؟!

یہ سب ہے اب انسانیت کی خدمت یہ ہے کہ جو انسانیت کے لباس میں درندے ٹہل رہے ہیں اور انسانیت کے لباس میں پھاڑ کھانے والے جانور ٹہل رہے ہیں ان سے ان کا لباس چھین لیا جائے تاکہ ان کی اصلی صورت سامنے آ جائے۔

کربلا میں امام حسین علیہ السلام نے یہی تو کیا۔ جو لشکر جمع ہوا تھا یزید کی طرف سے، داڑھی بھی تھی، تسبیح بھی تھی، قرآن بھی تھا، مصلّٰی بھی تھا لیکن یہ سب دکھاوا تھا۔ اس کے

پیچھے درندگی تھی، اس کے پیچھے وہ ذہنیت تھی جو جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ شاید اسی لیے بچوں کو بھی ساتھ لائے تھے اس لیے کہ اگر خالی جوان لڑیں گے تو دُنیا کہے گی کہ دُنیا کا مزاج یہی ہے کہ جوانوں سے جوان لڑتے ہیں لیکن چھے ماہ کا بچہ اس لیے آیا تھا کہ دُنیا میں کسی لشکر سے چھے ماہ کا بچہ نہیں لڑتا ہے۔

عزیزانِ گرامی!

دُنیا میں لڑائی بھی ہوتی ہے تو تلوار سے ٹکراتی ہے، تیر سے تیر ٹکراتا ہے، بندوق بندوق سے ٹکراتی ہے، بم سے بم ٹکراتا ہے لیکن امام علیہ السلام کا بچہ اتنا طاقتور تھا کہ چھے ماہ کے بچے کی مسکراہٹ سے یزید کا سارا لشکر نہ ٹکرا سکا ـــــ (نعرۂ حیدری)

عزیزانِ گرامی!

مَیں آپ کی خدمت میں جو عرض کر رہا تھا کہ انسانیت کے دشمن مسلمان بن کر آگئے تھے میدان میں۔

تو اب اسلام کی کیا تصویر بنتی؟

کیا مسلمان وہی ہے جو انسان پر پانی بند رکھے؟

کیا مسلمان وہی ہے جو چھے ماہ کے پیاسے بچے کو مار ڈالے؟

کیا مسلمان وہی ہے جو بے کس بیبیوں کے سروں سے چادریں چھین لے اور وہ بھی کہ جو اس کے خاندان کی خواتین ہوں؟

کیا مسلمان وہی ہے جو لاوارثوں کے خیام میں آگ لگا دے؟

یہ درندگی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ یہ دہشت گردی نہیں تو اور کیا ہے؟

عزیزانِ گرامی!

یہ دہشت گردی کل بھی تھی اور یہ دہشت گردی آج بھی ہے تو اگر انسانیت کو

اس دہشت گردی سے نجات دلاتا ہے تو اس دہشت گردی کا مقابلہ کل بھی امام حسینؑ نے کیا تھا اور آج بھی امام حسینؑ ہی اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور اس لیے ان دہشت گردوں کو سب سے زیادہ عداوت جو ہے وہ نامِ حسینؑ سے ہے، ذکرِ اہلِ بیتؑ سے ہے۔ انھوں نے ان عمارتوں کو مسمار کر دیا جو اہلِ بیتؑ کی یاد میں تھیں، ان عمارتوں کو مسمار کر دیا جو قابلِ احترام جگہیں تھیں جہاں جہاں ان کو موقع مل سکا۔ یہ اور بات ہے کہ موقع نہ ملے تو موقع نہ ملنا اور بات ہے لیکن اگر موقع ملے تو کربلا، نجف و خراسان ان سے محفوظ نہیں ہیں۔ یہ نہ سمجھے گا کہ یہ اس کے ساتھ کوئی مروت برتیں گے۔ اس لیے کہ جس کو ذات سے کوئی محبت نہیں ہے وہ قبر سے کیا محبت کرے گا۔ جو امام حسینؑ کو شہید کر سکتا ہے وہ امامؑ کے روضہ کو کیونکر چھوڑ سکتا ہے؟

عزیزانِ گرامی!

یہ عداوت اس لیے ہے کہ کچھ لوگ انسانیت کے خلاف تھے۔ کچھ لوگ نہیں چاہتے تھے کہ انسانیت کا پیغام عام ہو لہٰذا وہ اس زمین کے اُوپر فساد پیدا کرنا چاہتے تھے اور آج تک ساری دُنیا میں یہ محرم جو ہو رہا ہے اس کا معجزہ یہ ہے کہ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو اپنی مظلومیت کی وجہ سے اور اپنی حقانیت کی وجہ سے انسانوں کے دلوں پر براہِ راست اثر کرتا ہے اور دُنیا میں ہمیشہ جب کوئی لڑائی لڑی گئی ہے تو جس وقت لڑی جا رہی ہوتی ہے اس وقت ساری دنیا پر اس کا اثر ہوتا ہے۔ پہلے اخبارات تھے یا جو بھی تھا، ریڈیو تھا یا اس سے پہلے بھی جہاں جہاں تک خبر جاتی تھی وہاں تک اثرات ہوتے تھے۔ آج کی اس دنیا میں جب سب سہولیات موجود ہیں، کہیں ذرا سا کچھ ہوتا ہے تو ہر ایک کے پاس تصویر آجاتی ہے۔ ایک نیوز آجاتی ہے، ٹی وی پہ آجاتا ہے، سب چیزیں آجاتی ہیں۔ جب جھگڑا ہو رہا ہوتا ہے تو ساری دنیا متاثر ہوتی ہے اور

جب جھگڑا ختم ہو جاتا ہے تو وہ واقعہ سمٹنے لگتا ہے اور انسان کی یادداشت سے آہستہ آہستہ نکلنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ واقعہ تاریخ کے صفحات میں آجاتا ہے اور عوام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ دُنیا میں بہت سی جنگیں ہوئیں۔ ہمارے ملک سے بھی کئی لوگ لڑے اور دُنیا میں دو جنگیں جو عظیم جنگیں کہلواتی ہیں وہ ہوئیں اور دنیا کے مختلف حصوں میں لڑائیاں ہوئیں، ہوتی رہی ہیں اور آج بھی ہو رہی ہیں۔

دیکھیں!

جہاں جہاں معاملہ ختم ہو گیا وہاں وہاں کی لڑائی سمٹ کے تاریخ کے اوراق میں آگئی۔ ہمارا بچپن تھا بالکل جب دوسری جنگِ عظیم ہو رہی تھی۔ اس وقت ہر گھر متاثر تھا اور ہر ایک پر اس کا اثر تھا لیکن جب وہ ختم ہو گئی تو آج دُنیا میں کسی کو یاد بھی نہیں کہ کیا ہوا تھا؟

دوسری بات یہ ہے کہ جن دو طاقتوں کے بیچ میں لڑائی ہو رہی تھی زمانہ گزرنے کے بعد وہ دونوں طاقتیں بھول گئیں کہ ہم دونوں کی کبھی لڑائی بھی ہوئی تھی حالانکہ ابھی سو برس نہیں گزرے ہیں لیکن جرمنی بھی بھول گیا، جاپان بھی بھول گیا اور امریکہ بھی بھول گیا۔ اب کوئی اثر نہ جاپان پر ہے نہ اس کا امریکہ پر ہے، نہ جرمنی پر ہے۔ بالکل زندگی معمول پر آگئی۔

لیکن دنیا کی اکیلی لڑائی ہے کربلا کی لڑائی جو اگر World Map کے اُوپر کربلا اُبھاریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ World Map میں کربلا بالکل Pin Point پر ہے۔ تو وہ لڑائی جو صرف دوپہر کے وقت لڑی گئی اور Pin Point جگہ پر لڑی گئی لیکن پوری دنیا کے اُوپر چھا گئی۔

آج جاپان میں امام حسینؑ کا ماتم ہے، امریکہ میں بھی امام حسینؑ کا ماتم ہے،

یورپ میں بھی ہے، ایشیا میں بھی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ میں مجلسوں کے سلسلوں میں جرمنی کے بھی چپے چپے میں گھوما ہوں اور برطانیہ کے بھی چپے چپے میں گھوما ہوں نہ برطانیہ والوں کو اب یہ احساس ہے کہ ہم جیت گئے تھے اور نہ جرمنی والوں کو اب یہ احساس ہے کہ ہم ہار گئے تھے۔ جو ہار گئے تھے وہ بھی بھول گئے اور جو جیت گئے تھے وہ بھی بھول گئے۔ کیا کہنا میرے حسینؑ! تیرے سامنے جو گرا تھا وہ ابھی تک اُٹھ نہیں پایا۔ (نعرۂ حیدری)

عزیزانِ گرامی!

واقعۂ کربلا کسی ایک مذہب یا کسی ایک علاقے کے لوگوں کو متاثر نہیں کرتا بلکہ اس واقعہ میں خصوصیت یہ ہے کہ یہ سیدھے سیدھے انسان کو متاثر کرتا ہے۔ میں نے زندگی بھر مجالس پڑھی ہیں۔ میری مجالس میں کبھی کبھی غیر مسلم افراد بھی آتے ہیں۔ دوسرے مذاہب کے لوگوں سے بھی میری بات ہوتی ہے لیکن جس کے بھی سامنے یہ واقعہ بیان کیا گیا وہ متاثر ہوا۔ اس سے اب اندازہ یہ ہوا کہ انسانیت متاثر ہے واقعۂ کربلا سے۔ ہم نے سیاست کے کھیل میں انسانوں کو بانٹ دیا خانوں میں، تمہارا مذہب الگ ہے، ہمارا مذہب الگ ہے۔ تمہارا دین الگ ہے، ہمارا دین الگ ہے۔ تمہاری زمین الگ ہے، ہماری زمین الگ ہے۔ تمہارا رنگ الگ ہے، ہمارا رنگ الگ ہے۔ تمہارا جھنڈا الگ ہے، ہمارا جھنڈا الگ ہے۔ یہ انسانیت کو بانٹا گیا ہے۔ یہ انسانیت کے ٹکڑے کیے گئے ہیں۔ یہ اس لیے کیے گئے ہیں کہ جب موقع ملے کہ اس اختلاف کے نام پر ایک کو دوسرے سے ٹکرا دو اور ٹکرا کے اپنا مقصد حاصل کرلو۔ اختلاف باقی رہیں تا کہ ہمارا مقصد جو ہے یہ پورا ہوتا رہے۔

اسلام نے انسانوں کے لیے یہ تفریق نہیں کی۔ اسلام نے اس کا ایک نیا

نظریہ پیش کیا۔ میں اس کے سلسلے میں آپ کو قرآنِ مجید کی آیت سناؤں، اس لیے کہ ہمارے پاس گائیڈ لائن ہے جو ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ وہ قرآن ہے جو ہم کو بتاتا ہے ہر چیز۔ تو قرآن ہم کو بتا رہا ہے۔ دنیا میں ٹکڑے بن گئے اور دنیا میں جو فرقے بن گئے اس کی حیثیت کیا ہے؟

اس کو اچھے طریقے سے سمجھ لیجیے۔ قرآن نے اس کی بڑے اچھے طریقے سے وضاحت کی ہے۔ ارشاد ہو رہا ہے:

یَاَیُّھَا النَّاسُ!

"اے انسانو!"

اے مسلمانو! نہیں — اے عرب والو! نہیں۔

یَاَیُّھَا النَّاسُ!

"اے انسانو!"

اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی

"ہم نے تمھیں مرد اور عورت کے ذریعے سے خلق کیا"۔

دیکھیے!

سب کی پیدائش جو ہے وہ ایک ہی انداز کی ہے۔

وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا

"اور ہم نے تمھارے اندر مختلف شعبے اور مختلف قبیلے اس لیے بنائے تا کہ پہچانے جاؤ"۔

جس طریقے سے نام ہوتا ہے تو نام اس لیے نہیں ہوتا کہ جیسے میرا نام 'محمد اطہر' ہے تو آپ مجھ سے لڑنے لگیں اور آپ کا نام 'عباس حسین' ہے تو میں آپ سے لڑنے

لگوں۔ نام اس لیے ہوتا ہے کہ اگر ہمارا کوئی نام نہیں ہوگا تو ہمیں کوئی پہچانے گا کیسے؟

سوال یہ ہے کہ انھوں نے کہا: ایرانی مسجد میں کون صاحب پڑھتے ہیں؟

انھوں نے کہا: اطہر صاحب پڑھتے ہیں۔

بہت زمانہ ہوگیا ان کو، یہ اٹھانواں (۵۸) عشرہ پڑھ رہے ہیں ـــ (صلواۃ)

تو بھیا!

جب کسی نے پوچھا: کون صاحب پڑھتے ہیں؟

کہا: اطہر صاحب پڑھتے ہیں۔

اگر میرا نام نہ ہوتا تو کوئی کیا بتاتا کہ کون پڑھ رہا ہے۔ تو محض اس لیے کہ پہچانا جاؤں۔ اس لیے نام ہوتا ہے۔ ورنہ اس لیے تھوڑی ہوتا ہے کہ کوئی مجھ سے لڑائی لڑنے لگے، کوئی مجھ سے جھگڑا کرنے لگے، کوئی میرا گلا کاٹنے کے درپے ہوجائے۔

ارشاد فرمایا:

وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا

"ہم نے تمھارے اندر مختلف شعبے اور مختلف قبیلے اس لیے قرار دیے تا کہ تم پہچانے جاؤ"۔

اچھا!

پہچان تو ہوگئی کہ یہ فلاں ہیں، وہ فلاں ہیں، اب ان میں عزت دار کون ہے؟

فرمایا:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

"اللہ کے نزدیک عزت دار وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا زیادہ ہو"۔

بس!

جو اللہ سے ڈرے گا وہ دوسرے پر ظلم نہیں کرے گا۔ جو دوسرے پر ظلم نہیں کرے گا وہی اللہ کے ہاں عزت دار ہوگا۔

سمجھے آپ؟!

تو انسان کا یہ مسئلہ جو ہے یہ قرآن نے واضح کیا کہ سب انسان برابر ہیں صرف جو نیک کردار انسان ہیں وہ اللہ کی نظر میں عزت والے ہیں اور جو کردار کے اچھے نہیں ہیں ان کی اللہ کے ہاں کوئی عزت نہیں ہے۔

اب آیئے!

انسانوں میں اچھے بھی ہیں اور برے بھی ہیں۔ قرآن مجید نے یہ بات بھی واضح کر دی کہ وہ لوگ جو انسانوں کی صورت میں دکھائی دیں ان کو انسان نہ سمجھ لینا، اس لیے کہ انسان کی صورت میں جانور بھی ہیں اور سب سے خطرناک مخلوق انسان ہے۔

یہ سمجھ لیجیے آپ!

دنیا میں بدنام ہے شیر، اس لیے کہ آدمی کو پھاڑ کھاتا ہے۔ دنیا میں بدنام ہے سانپ، اس لیے کہ آدمی کو ڈس لیتا ہے تو آدمی اس کے زہر کے اثر سے مر جاتا ہے لیکن شیر کے شکار کے جو ماہر ہیں وہ کہتے ہیں کہ شیر عام طور سے مانئیر نہیں ہوتا، زخمی ہو کر یا بوڑھا ہو کر یا بیمار ہو کر مانئیر ہو جاتا ہے اس لیے کہ اس میں اتنی تیز دوڑ کی طاقت نہیں رہتی کہ وہ جانور کو پکڑ سکے۔ انسان اتنا تیز دوڑ نہیں سکتا، بھاگ نہیں سکتا، اپنا بچاؤ نہیں کر سکتا لہٰذا وہ مانئیر ہو جاتا ہے۔

ایک تو یہ بات پڑھی ہے ہم نے کتابوں میں اور دوسری بات جو ہم نے پڑھی ہے وہ یہ ہے کہ شیر جب ایک شکار کر لیتا ہے اور پیٹ بھر کے گوشت کھا لیتا ہے تو

جا کر سو جاتا ہے اور دو تین دن سویا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو پھر بھوک ستاتی ہے تو وہ نکلتا ہے۔ اگر شیر نے ایک آدمی کو کھا بھی لیا تو کم از کم تین دن تک پوری انسانیت اس کے خطرے سے محفوظ ہے۔ تین دن تک اب اس سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔

سانپ کے زہر کے ماہر ہیں۔ اس پر بھی کتابیں ہیں وہ کہتے ہیں: اللہ نے سانپ کے منہ میں ایک تھیلی خلق کی ہے جس میں زہر ہوتا ہے اور اس کے دانتوں میں آگے دو چھوٹے چھید ہیں جس کا کنکشن اس تھیلی سے ہوتا ہے۔ جب وہ کاٹتا ہے تو وہ زہر آدمی کے جسم میں داخل ہو جاتا ہے اور اسی زہر کے اثر سے انسان مر جاتا ہے۔ اب اس تھیلی میں جتنا بھی زہر ہے مثال کے طور پر ایک گرام اس میں زہر ہے اور ایک گرام اگر پندرہ آدمیوں کے مار ڈالنے کے لیے کافی ہے تو جب تک وہ پندرہ آدمیوں کو ڈسے گا تب تک تو وہ مہلک ہے۔ اس کے بعد اگر وہ کاٹے گا بھی تو آدمی مرے گا نہیں، اس لیے کہ اب وہ جمع شدہ زہر تو اس کے پاس ختم ہو گیا ہے۔ تو جیسے کوئی جانور کاٹ لے ویسے سانپ نے کاٹ لیا۔ اب سانپ کی دہشت سے مر جائے تو وہ بات الگ ہے لیکن موت نہیں آئے گی سانپ کے کاٹنے سے۔

سمجھے آپ!

زہر سے موت نہیں آئے گی اس لیے زہر کا ذخیرہ ختم ہو گیا ہے۔ اب فطرتِ فیاض اس کو زہر دے گی اور تھیلی بھرے گی تو پھر وہ کاٹے گا تو ایک حد تک کاٹ کر سانپ بھی بے ضرر ہے اور ایک حد تک کاٹ کر مارنے کے بعد شیر بھی بے ضرر ہے مگر خدا کے لیے بتائیے کہ انسان کے خون کی پیاس بجھتی ہے کبھی؟

ہزار آدمی قتل کر دے، دس ہزار آدمی قتل کر دے، پورے شہر کو اڑا دے، ایٹم بم گرا دے تو اس کی پیاس نہیں بجھتی۔

معلوم ہوا کہ سب سے بڑا درندہ انسان ہے۔ آپ روزانہ کا اخبار پڑھیے۔ چھے ماہ بعد، آٹھ ماہ بعد، کبھی خبر آئے گی اس میں کہ ایک آدمی کو سانپ نے ڈس لیا اور وہ مر گیا۔ چھ ماہ بعد، آٹھ ماہ بعد کبھی خبر آئے گی کہ ایک آدمی کو شیر نے یا اس کے خاندان کے کسی آدمی کو کسی جانور نے مار ڈالا لیکن ہر اخبار میں روزانہ سینکڑوں خبریں ہیں کہ ایک آدمی کو مار ڈالا، دو آدمیوں کو مار ڈالا، بہن کو مار ڈالا، بھائی کو مار ڈالا، تو سب سے زیادہ قاتل، سب سے خطرناک درندہ، سب سے زیادہ خونی تو انسان ہے۔

عزیزانِ گرامی!

انسان اچھے بھی ہیں اور انسان بُرے بھی ہیں اور اللہ نے اس چیز کو بھی قرآن میں واضح کیا۔ ان شاء اللہ اب اچھے اور بُرے انسان کی تفصیل جو ہے وہ میں آپ کی خدمت میں کل عرض کروں گا اس لیے کہ آج وقت جو ہے میرا وہ تمام ہو رہا ہے۔ تو اگر میں اس چکر میں پڑ گیا تو وقت پورا ہو جائے گا اور بات پوری نہ ہو پائے گی، لہٰذا قرآن نے اچھے انسانوں کے لیے اور بُرے انسانوں کے لیے کیا کہا ہے؟

یہ کل عرض کروں گا۔ آج تو صرف اتنا کہ رسولؐ اور ان کی اولاد کا یہ احسان ہے جو انھوں نے دُنیا کو انسانیت کی تعلیم دی۔ وہ امام حسینؑ کی ذات تھی کہ جنھوں نے کمالِ انسانیت وہ دکھایا جو کمال ان کے اللہ نے ان کے نانا کو دیا تھا۔ ان کے نانا کو اللہ نے جو جو کمال عطا کیا تھا جس کی قرآن نے تعریف بھی کی ہے اور ان کے اخلاق کو ان کی رحمت کو عظیم کہا ہے:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ (سورۂ قلم: آیت ۴)

"اور اللہ نے ان کو رحمۃ للعالمینؐ کہا ہے"۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (سورۂ انبیاء: ۱۰۷)

تو امام حسین علیہ السلام نے انسانیت پر احسان یہ کیا کہ ظلم سہتے رہے، تکلیفیں اُٹھاتے رہے، پریشانیاں جھیلتے رہے مگر بددُعا کے لیے ہاتھ نہیں اُٹھائے۔ انسانوں پر اللہ کی رحمت بن کر آیا تھا یہ خاندان، اللہ کا غضب بن کر نہیں آیا تھا۔

پیغمبروںؑ کی تاریخ بھی ہم نے پڑھی ہے، پیغمبروںؑ کو جب حد سے زیادہ ستایا گیا تو یا تو اُنھوں نے دشمن کو بددُعا دی یا اپنے لیے دُعا کی۔ جنابِ نوحؑ کا قصہ قرآن میں موجود ہے، انھوں نے دشمن کے لیے بددُعا کی:

"پالنے والے! یہ اصلاح پذیر ہونے والے نہیں ہیں۔ اب ان کا نام ونشان مٹا دے"۔

کشتی بنانے کا حکم ہوا، سیلاب آیا اور سارے مخالفینِ خدا ختم ہو گئے۔

جنابِ ابراہیمؑ کو جب آگ میں ڈالا جانے والا تھا، انھوں نے دشمن کو بددُعا تو نہیں دی مگر اللہ سے لَو لگائی اور اللہ نے آگ کو ٹھنڈا کر دیا۔

جنابِ موسیٰؑ جب بہت تبلیغ کر چکے اور فرعون نہیں مانا تو انھوں نے فرعون کو بددعا دی۔ اللہ نے فوراً فرعون کو ڈبو دیا۔

جنابِ عیسیٰؑ کے لیے جب سولی لائی گئی تو انھوں نے دشمن کو بددُعا تو نہیں دی مگر اللہ کو آواز دی: "کیا تُو نے مجھے بھلا دیا"۔

فرمایا: "نہیں، بھلایا نہیں ہے"۔

جنابِ عیسیٰؑ کو آسمان پر بلند کر دیا۔

ہمارے رسولؐ کی صفت یہ تھی کہ ظلم سہتے رہے، پریشانیاں اُٹھاتے رہے، تکالیف جھیلتے رہے مگر نہ دشمن کے لیے بددُعا کی اور نہ اپنے لیے دُعا کی۔

خدا کی قسم! یہی شان امام حسین علیہ السلام کی نظر آئی۔ عصرِ عاشور کو لاشیں اُٹھاتے

کے بعد، عزیزوں کا داغ جھیلنے کے بعد، بچوں کو تنہا میدان میں چھوڑنے کے بعد بہن سے رخصت ہونے کے بعد، سکینہؑ بی بی سے دامن چھڑانے کے بعد، علی اصغرؑ کو دفن کرنے کے بعد بھی نہ دشمن کے لیے بددُعا کی، نہ اپنے لیے دُعا کی۔

عزادارو!

محسن انسانیت امام حسینؑ پر کروڑوں درودو سلام ہوں، جس نے دم توڑتی ہوئی انسانیت کی لاج رکھ لی اور انسانیت کی زندگی بچالی۔

ذکرِ مصائب (داخلۂ کربلا)

عزیزانِ گرامی!

محرم الحرام کی دوسری شب آگئی ہے۔ ایامِ عزا شروع ہو گئے۔ ہمارے دلوں کے عزاخانے بھی سج گئے۔ امام حسین علیہ السلام پر آنسو بہانے، امامؑ پر رونے کا جذبہ پھر بیدار ہوگیا، ہمارے گھروں میں اور ہماری مجلسوں میں معصومۂ عالمؑ کی آمدورفت شروع ہوگئی اور اس مظلوم اور بے کس کی یاد منانے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ جو ابھی کربلا نہیں پہنچا ہے۔ امام حسین علیہ السلام کا قافلہ ابھی راستے میں ہے۔

عزادارو!

دوسری محرم وہ تاریخ ہے جب امام حسین علیہ السلام کربلا کی زمین پر وارد ہوئے۔ آج کی رات امام علیہ السلام کا قافلہ سفر میں ہے مگر کربلا کی زمین قریب آرہی ہے۔ کل سورج نکلنے کے بعد یہ قافلہ زمینِ کربلا پر پہنچ جائے گا۔

تاریخ لکھتی ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام کربلا کی حدود میں پہنچے تو چلتے چلتے گھوڑا رُکا۔ کربلا کی پوری تاریخ ہے، کربلا سے کوئی نبیؑ اور وصی نہیں گزرا مگر یہ

جلاء رحمت ہوا۔ تاریخوں کے اندر اور کتابوں کے اندر کربلا کے واقعات محفوظ ہیں اور ہر ایک نبیؑ اور وصیؑ نے یہی کہا کہ معبودا! کیا بات ہے؟

جنابِ ابراہیمؑ کی دُنبیوں نے کھانا پینا چھوڑ دیا تھا تو جنابِ ابراہیمؑ نے کہا: معبودا! کیا بات ہے؟

کہا: کچھ نہیں۔ تم زمینِ کربلا سے گزر رہے ہو، یہ کرب و بلا کی جگہ ہے۔

جنابِ نوحؑ کی کشتی اس مقام پر جب پہنچی ہے تو طوفان تھا اور ایسا تلاطم تھا کہ جنابِ نوحؑ نے اللہ کی بارگاہ میں مناجات کی: معبودا! کیا کشتی ڈوب جائے گی؟ کیا تیری کوئی مصلحت بدل گئی ہے؟

کہا: نوحؑ! کشتی ڈوبے گی نہیں۔

کہا: پھر یہ تلاطم کیسا؟

کہا: تم زمینِ کربلا سے گزر رہے ہو، کربلا کی زمین کا تلاطم ہے۔ اس پر کوئی نبیؑ یا وصیؑ نہیں گزرے گا مگر یہ کہ جلاء امتحان ہوگا۔

جنابِ موسیٰؑ کربلا سے گزرے تو اُن کو ٹھوکر لگی۔ وہ نبیؑ تھے، وہ رہبر تھے، رہبر ٹھوکر کھانے کے لیے نہیں آتے، ٹھوکروں سے بچانے کے لیے آتے ہیں، نبیؑ اور وصیؑ ہمارے اور آپ کی طرح کا نہیں ہوتا لیکن ٹھوکر لگی تو ان کو احساس ہوا کہ کوئی غیر معمولی بات ہے۔

جنابِ موسیٰؑ نے مناجات کی: پالنے والے! کیا ہوا کوئی خطا وغیرہ تو نہیں ہوئی ہے مجھ سے؟

کہا: نہیں موسیٰؑ! تم کربلا سے گزر رہے ہو۔ کربلا کے واقعات بیان کیے۔

حضرت عیسیٰؑ بھی یہاں سے گزرے ہیں اور تاریخوں میں ہے کہ ان کو بھی

زحمتوں میں مبتلا ہونا پڑا اور انھوں نے بھی دُعا کی تو انھیں بھی جواب ملا کہ تم کربلا سے گزر رہے ہو۔

مولا علیؑ کے لیے تاریخ میں ہے کہ جنگِ صفین سے واپسی پر دونوں شہزادے امام حسن اور امام حسین علیہم السلام ساتھ تھے۔ مولا علیؑ جب اس جگہ پر پہنچے تو خاک کو اُٹھا کر سونگھا۔ مٹی اُٹھائی اور اس کو سونگھا۔

لوگوں نے پوچھا: مولاؑ! کیا بات ہے؟

مولا علیؑ نے بڑی تفصیل سے بات کی۔ فرمایا: جیسے میں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں میرا حسینؑ شہید کر دیا جائے گا، یہ اُن کے خیمے لگنے کی جگہ ہے، یہ اُن کی قبریں بننے کی جگہ ہے، یہ اُن کے شہید ہو ہو کر گرنے کی جگہیں ہیں۔

مولا علیؑ نے پوری مجلس پڑھ دی۔

عزیزانِ گرامی!

اس زمین کی مٹی اس گھرانے میں رہی۔ چنانچہ سرکارِ دوعالمؐ نے اُم المومنین جنابِ اُمِ سلمہؓ کو ایک شیشی میں مٹی دی تھی اور جنابِ اُمِ سلمہؓ سے فرمایا تھا: بی بی! تمھیں اللہ لمبی عمر دے گا اور تم اس وقت تک زندہ رہو گی جب میرا فرزند حسینؑ شہید کر دیا جائے گا۔ میں یہ مٹی تمھیں امانت کے طور پر سونپ رہا ہوں۔ جب یہ مٹی خون ہو جائے تو سمجھ لینا کہ میرا حسینؑ شہید کر دیا گیا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جب امام عالی مقامؑ چلنے لگے اور بی بی اُمِ سلمہؓ سے ملنے کے لیے آئے تو بی بی نے فرمایا: بیٹا! کہاں کا ارادہ ہے؟

فرمایا: نانی جان! زمینِ عراق پر جا رہا ہوں۔

عراق کا نام سن کر بی بی تڑپ گئیں اور فرمایا: بیٹا! وہاں نہ جانا، میں نے

تیرے نانا سے سنا ہے کہ میرا حسینؑ عراق میں شہید کر دیا جائے گا۔

امام حسین علیہ السلام خاموش ہو گئے اور فرمایا: نانی! یہ بتائیے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ جو بات نانا کہیں اور وہ نہ ہو۔ کیا آپ کی سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ میرے نانا کوئی بات فرمائیں اور اس کے خلاف کچھ ہو جائے۔ کیا ایسا بھی ممکن ہے؟

کہا: بیٹا! ایسا تو ممکن نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: بس! میں وہیں جا رہا ہوں۔

بی بی رونے لگیں: کہا بیٹا! تمھارے نانا مجھے وہاں کی مٹی دے گئے تھے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: مجھے معلوم ہے۔

یہ کہہ کر جیب سے مٹی نکالی۔ فرمایا: نانی! یہ بھی وہی مٹی ہے۔ آپ اس کو بھی اسی مٹی میں شامل کر لیجیے۔

روایت میں ہے کہ جنابِ اُمِ سلمہؓ نے وہ مٹی بھی لے کر اس شیشی میں ڈال لی اور جب امام حسین علیہ السلام چلے گئے تو ہر نماز کے بعد وہ اس شیشی کو دیکھتی تھیں اور مٹی اپنی اصلی حالت میں ملتی تھی۔

عزیزانِ گرامی!

فرماتی ہیں: جب عشرہ محرم الحرام شروع ہوا تو میرے دل کا اضطراب بڑھ گیا یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آیا عاشورہ کے دن کہ عصر کے قریب میں بہت مضطرب تھی۔ بار بار مٹی کو دیکھتی تھی تو مٹی اپنی اصلی حالت پر تھی تو مجھے اطمینان ہو جاتا تھا کہ میرا حسینؑ خیریت سے ہے۔

بی بی فرماتی ہیں: عصر کے وقت میری آنکھ لگ گئی تو میں نے خواب میں رسولؐ خدا کو دیکھا کہ سر برہنہ چلے آ رہے ہیں۔

حدیث میں ہے:

وَعَلٰی رَأسِہٖ وَلِحیَتِہِ التُّرَابُ

”میں نے رسولؐ خدا کو اس عالم میں دیکھا کہ آپؐ کے سر پر اور ریش مبارک پر خاک پڑی ہوئی ہے“۔

بی بی فرماتی ہیں: یہ دیکھ کر میرا دل گھبرانے لگا۔ میں نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! یہ کیا حال ہے؟

فرمایا: میں مقتلِ حسینؑ سے آ رہا ہوں۔

بی بی کہتی ہیں: گھبراہٹ کے عالم میں میری آنکھ کھل گئی۔ اب جو دیکھا تو شیشی میں خونِ تازہ جوش مار رہا تھا۔ میں سمجھ گئی کہ امام حسینؑ کربلا میں شہید ہو گئے۔

ہائے حسینؑ ــــ!

کربلا کی زمین آباد ہو گئی۔ مدینہ ویران ہو گیا۔ حسینؑ کربلا میں شہید ہو گئے۔ ہر طرف سے نوحہ و ماتم برپا ہو گیا۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ ○

مجلسِ سوم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالۡعَصۡرِ ۙ﴿۱﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ۙ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۬ۙ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ﴿۳﴾

خداوند عالم قرآنِ مجید میں ارشاد فرما رہا ہے:

''عصر کی قسم! تمام انسان گھاٹے میں ہیں سوائے ان کے جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے اور وہ لوگ جو ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے ہیں اور وہ جو ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرتے ہیں''۔ (سورۂ عصر)

عزیزانِ گرامی!

سلسلۂ کلام ذہن عالی میں ہوگا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان ''انسان اور انسانیت'' کے عنوان پر گفتگو ہورہی ہے۔ کل وقت تمام ہورہا تھا، لہٰذا میں نے آج کا وعدہ کیا کہ آج میں آپ کو بتاؤں گا کہ اچھے انسان کون ہوتے ہیں اور بُرے انسان کون ہوتے ہیں۔ جس طریقے سے کوئی حد نہیں، پتہ نہیں، کتنے دُنیا میں جانور ہیں، صرف اللہ جانتا ہے کوئی دوسرا آدمی نہیں جانتا۔ کتنی اقسام کے دنیا میں درخت پائے جاتے ہیں یہ صرف علمِ خدا میں بات ہے ہمارے آپ کے علم میں نہیں ہے۔

ویسے ہی انسانوں کی کتنی اقسام ہیں اور کتنی طرح کے انسان ہیں۔ یہ بھی اللہ ہی جانتا ہے کوئی دوسرا نہیں جانتا۔

عزیزانِ گرامی!

قرآنِ مجید نے انسانوں کی نشان دہی کی ہے اور پورا سورہ اس سلسلے میں قرآنِ مجید میں موجود ہے۔ قرآنِ مجید کا آخری سورہ جہاں پہ قرآن تمام ہو رہا ہے اُس کے اندر انسان کا تذکرہ ہے۔

ارشاد ہو رہا ہے:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ (سورۃ الناس: آیت ۱)

''کہو کہ میں پناہ چاہتا ہوں اللہ کی۔ انسانوں کے پالنے والے کی پناہ چاہتا ہوں''۔

یعنی کوئی اتنا بڑا فساد برپا ہے اور اتنا ظلم و جور سے معاملہ چھلک رہا ہے کہ بندہ اللہ کی پناہ ڈھونڈ رہا ہے۔

قُلْ

''کہو''۔

اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ

''میں اللہ کی پناہ میں آنا چاہتا ہوں''۔

مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝

کون رب؟

جو انسانوں کا بادشاہ ہے۔

ہماری آپ کی زبان عربی نہیں ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہاں بہت سے ایسے

موجود ہوں گے جو جانتے ہیں کہ عربی زبان میں بادشاہ کو "مَلِك" کہتے ہیں۔ عربی زبان میں King کو "مَلِك" کہتے ہیں۔

مَلِكِ النَّاسِ ﴿٢﴾

کون رب؟

جو انسانوں کا بادشاہ ہے۔

چلیے یہاں پر رُک کر ایک لمحے کے لیے غور کر لیجیے کہ قرآن میں بادشاہ اللہ کو کہا گیا ہے۔ کوئی انسان بادشاہ نہیں ہے۔ قرآن میں بادشاہ اللہ کو کہا گیا ہے۔ جس کا دل چاہے قرآن مجید میں جا کر دیکھ لے۔

مَلِكِ النَّاسِ ﴿٢﴾

جس عربی دان سے، چاہے وہ مسلمان نہ بھی ہو، عربی ایک زبان ہے۔ مذہب سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ کسی عیسائی سے، کسی ایسے اسکالر سے جو عربی جانتا ہو آپ "مَلِك" کا ترجمہ پوچھ لیجیے یا ڈکشنری میں دیکھ لیجیے۔ انگلش عربی ڈکشنری ہوتی ہے اس میں دیکھ لیجیے۔

مَلِكِ النَّاسِ ﴿٢﴾

"انسانوں کا بادشاہ ہے"۔

معلوم ہوا کہ بادشاہت اللہ کے لیے ہے، بندوں کے لیے نہیں ہے۔ اب وہ سلاطین جو اپنے کو بادشاہ کہلواتے ہیں یہ سنت ہے کہ بدعت ہے؟

"مَلِك" تو اللہ ہے۔

یہ سرکار کے نام کے ساتھ جو جَلَالَہُ الملك لگتا ہے یہ کیا ہے۔ یہ کون ملك کون سا ہے؟

آپ انصاف سے بتایئے!

اس بات سے میرے دل کو ٹھیس لگی ہے اس لیے بول رہا ہوں۔ ایسی سینکڑوں باتیں ہیں کہنے کے لائق، کہاں کہاں تک کہوں۔ کہاں تک سناؤں، لیکن جب دل کو ٹھیس لگتی ہے تو زبان کھلتی ہے۔

ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا ہے مسلمانوں میں جو کہتا ہے: "مولا" تو اللہ ہے۔ علیؑ کو "مولا" کیوں کہا جاتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نبیؐ علیؑ کو "مولا" غدیر میں بنایا جاتا ہے اس لیے کہا جاتا ہے ۔۔۔ (نعرۂ حیدری)

آپ کو "مَلِك" کا خطاب کہاں سے ملا؟ آپ کہاں سے "مَلِك" ہو گئے۔ "مَلِك" تو اللہ ہے اور اگر بندوں کے لیے بادشاہت زیب ہوتی اور بندوں کے لیے اللہ بادشاہت تجویز کرتا تو سب سے پہلے اپنے حبیبؐ کے سر پر بادشاہت کا تاج رکھتا اور قرآن میں آیت آتی کہ اے حبیبؐ! تم بادشاہ بھی ہو مگر قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں ہے جس میں اللہ نے رسولؐ سے خطاب کر کے کہا ہو کہ آپ بادشاہ بھی ہیں۔

دیکھیے!

یہاں بادشاہت پہ زور نہیں ہے۔ یہاں عبدیت پر زور ہے۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ (سورۂ اسراء: آیت ۱)

"پاک ہے وہ ذات جو اپنے عبد کو لے گئی"۔

عزیزانِ گرامی!

معلوم ہوا کہ اللہ کی سرکار میں جو جتنا جھکتا جاتا ہے اتنی عزت پاتا جاتا ہے اور جو جتنا سر بلند کرتا ہے اتنا ہی اس کا سر جھکایا جاتا ہے۔

یہاں عبدیت پر زور ہے اور یہاں عبدیت پر ناز ہے اور سرکار دوعالمؐ کی عبدیت اتنی بلند ہوئی یہ عبدیت ہم کیا جانیں۔ جو لوگ دنیا کے لالچی ہیں وہ آخرت کی منزلوں کو کیا سمجھ سکتے ہیں۔ ان کے دماغ میں ہی نہیں آسکتا۔ ہمیں حکومت چاہیے، دولت چاہیے، سنہرا تخت چاہیے، سر پر سنہرا تاج چاہیے، یہ سب ہمیں کیا اچھا لگے گا۔

ہاں ــــ!

ہم نے مذہبی کتابوں میں پڑھا ہے کہ جنابِ یحییٰ علیہ السلام رو رہے ہیں۔ یادِ خدا میں روتے رہتے تھے۔ ایک دن وحی آئی کہ اے یحییٰؑ! اتنا کیوں روتے ہو؟

نبیؑ تھے، نبیؑ کے بیٹے تھے۔

ارشاد ہوا: یحییٰؑ! اتنا کیوں روتے ہو؟

اگر شوقِ جنت میں رو رہے ہو تو ہم نے تم پر جنت کو واجب کر دیا ہے۔ اگر خوفِ جہنم میں رو رہے ہو تو ہم نے جہنم کو تم پر حرام کر دیا ہے۔

جنابِ یحییٰؑ نے عرض کیا: معبود! نہ شوقِ جنت میں رو رہا ہوں اور نہ خوفِ جہنم میں رو رہا ہوں۔ دل میں ایک تمنا ہے لبوں پر آنہیں رہی۔

ارشاد ہوا: یحییٰؑ! اپنی تمنا بیان کرو، ہمارے سامنے بتاؤ۔

عرض کیا: تمنا یہ ہے کہ ایک دفعہ مجھے تو اپنا عبد کہہ دے، تو کہہ دے کہ یہ میرا عبد ہے۔

تو عبدیت اتنی بلند ہے کہ جنابِ یحییٰؑ جیسا نبیؑ رو رہا ہے اور تڑپ رہا ہے کہ اللہ ایک دفعہ اسے عبد کہہ دے اور عبدیتِ محمدؐ اتنی بلند ہوئی کہ انھوں نے لبوں سے کچھ نہیں کہا بلکہ اللہ پکارا:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ (سورۂ اسراء: آیت ۱)

"پاک ہے وہ ذات جو اپنے عبد کو لے گیا"۔

عبدیتِ محمدؐ اتنی بلند ہوئی کہ ہر نماز کے اندر رسولؐ کی عبدیت کا ذکر رسالت کے ذکر سے پہلے ہے۔ جو مسلمان نماز پڑھتا ہے وہ یہ پڑھتا ہے:

وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

"میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے عبد اور اس کے رسولؐ ہیں"۔

عزیزانِ گرامی!

یہ منزلِ عبدیت ہے۔

دیکھیے!

مجھے جانا تو کسی اور طرف ہے مگر اہلِ ولاء کا مجمع ہے اس لیے ایک بات کہتا ہوا چلوں!

ایک بندہ اور گزرا ہے تاریخ میں، جس نے اپنے لیے لفظ عبد پسند کیا اور وہ تھے حضرت عباسؑ، جنھوں نے کبھی نہ کہا کہ میں حسینؑ کا بھائی ہوں بلکہ کہا کہ میں حسینؑ کا عبد ہوں ــــ (نعرۂ حیدری)

عزیزانِ گرامی!

یہ عبدیت اتنی بلند ہوئی کہ جب دعوائے عبدیت کے ساتھ قربانی دے دی تو معصومؑ نے جو زیارت پڑھی اس کے اندر فرمایا:

اَشْهَدُ اَنَّكَ اَيُّهَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ

"میں گواہی دیتا ہوں اے عبدِ صالح"۔

یہ حضرت عباسؑ کی زیارت کے جملے ہیں۔ عبدِ صالح کا لفظ ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ یہ لفظ کتنا قیمتی ہے؟ جنابِ عباسؑ کو عبدِ صالح کا خطاب ملا۔

اب جو مسلمان نماز پڑھتا ہے وہ نماز میں تذکرہ کرتا ہے:

اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ

"سلام ہو ہم پر اور اللہ کے صالح بندوں پر" ۔۔۔ (نعرۂ حیدری)

اس کا مطلب یہ ہے کہ پوری دنیا میں جتنے مسلمان نماز ادا کرتے ہیں ان کی نماز حضرت عباسؑ پر سلام پڑھتے ہوئے تمام ہوتی ہے۔ (صلوٰۃ)

توجہ ہے ۔۔۔!

مَلِکِ النَّاسِ ۝

"جو انسانوں کا بادشاہ ہے"۔

اِلٰہِ النَّاسِ ۝

"جو انسانوں کا اللہ ہے"۔

دیکھیے!

اس سورہ میں سب جگہ انسان کا ذکر ہے۔ مسلمان کا بادشاہ ہے یا مسلمان کا اللہ ہے، یہ سب نہیں ہے۔ یا عربوں کا بادشاہ ہے یا مکہ والوں کا بادشاہ ہے یہ سب کچھ نہیں ہے بلکہ کہا کہ انسان۔

مَلِکِ النَّاسِ ۝ اِلٰہِ النَّاسِ ۝

کا ہے کی پناہ مانگتا ہوں؟

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۝

شر سے۔ شر سے مراد؟

شرارت، گمراہی، راستے سے بہکانا، برباد کر دینا۔

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ

وسوسے، دل کے اندر مختلف خیال کا پیدا ہونا کہ یہ صحیح ہے یا وہ صحیح ہے۔ یہ ٹھیک ہے یا وہ ٹھیک ہے۔ یہ بھی یہ کہہ رہے تھے، وہ بھی کہہ رہے تھے۔ وہ صحیح کہہ رہے تھے یا یہ صحیح کہہ رہے تھے۔ یہ وسوسے جو ہیں یہ ایمان کو کھا جاتے ہیں۔ شک، شبہ۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا (سورۂ حجرات: آیت ۱۵)

"بس! مومن وہ لوگ ہیں جو اللہ اور رسولؐ پر ایمان لائیں پھر ان کے دل میں شک نہ آئے"۔

یعنی یہ نہ ہو کہ معاذ اللہ! اللہ ہے کہ نہیں واقعاً ہے یا ہمارے بزرگ کہتے ہیں اس لیے ہے، معاذ اللہ رسولؐ ہیں کہ نہیں۔ کیا ایسے ہی ہو گیا ہے معاملہ سب۔ یہ شک نہ آئے۔

ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا

"پھر شک نہ آئے"۔

توجہ!

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ۝

وسوسے ۔۔۔ اب یہ وسوسہ عربی لفظ ہے یعنی دل کے اندر شک و شبہ کا پیدا ہونا، یہ وسوسہ ہے۔

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ۝

"وہ وسوسے جو خناس پیدا کرتا ہے"۔

اب انسان کو یہ نیا نام ملا ــــ خناس۔ معلوم ہوا کہ انسان خناس بھی ہوتا ہے۔ تفسیروں میں ہے کہ خناس نام ہے ایک شیطان کا۔ اب اُردو میں اس کا کوئی ترجمہ ہے ہی نہیں جو میں آپ کو بتاؤں۔

تو خناس جو ہے وہ شیطان کا نام ہے جو لوگوں کے دلوں میں شک وشبہ پیدا کرتا ہے، مذہب کے متعلق، خدا اور رسولؐ کے متعلق، وہ خناس۔

مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ ۬ۙ الۡخَنَّاسِ ۪ۙ الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ۙ

"وہ خناس جو انسانوں کے دلوں میں وسوسے پیدا کرتا ہے انسانوں کے دلوں میں شک وشبے پیدا کرتا ہے، اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں"۔

آخر آیت میں یہ کہا گیا:

مِنَ الۡجِنَّۃِ وَ النَّاسِ ۙ

"یہ خناس جو ہے یہ شیطانی کردار جو ہے یہ جنات میں بھی ہے اور انسانوں میں بھی ہے"۔

معلوم ہوا کہ شیطان خالی جن ہی نہیں ہوتا بلکہ انسان بھی شیطان ہوتے ہیں۔

اب آیئے!

میں قرآن مجید سے ایک دوسری آیت پڑھوں۔ قرآن مجید ایک جگہ کہتا ہے:

لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیۡنَ الۡاِنۡسِ وَ الۡجِنِّ (سورۂ جن: آیت ۱۱۲)

"ہر نبیؐ کے کچھ دشمن ہیں وہ شیطان ہیں، وہ شیطان کون ہیں؟

شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ

"یہ شیطان انسانوں میں بھی ہیں اور یہ شیطان جنوں میں بھی ہیں"۔

اب ایک بات اور کہتا چلوں!

لوگ سمجھتے ہیں کہ لفظ شیطان ایک نام ہے، اسم ہے، اس لیے کہ مجالس میں ذکر ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ کا پیکر بنا اور شیطان نے انکار کیا اور اللہ نے شیطان کو نکال دیا اور شیطان نے مہلت مانگی۔

دیکھیے!

شیطان کسی ایک خاص شخصیت کا نام نہیں ہے۔ شیطان صفت ہے۔ شیطان ایک کردار ہے۔ اس کی مثال میں یوں دوں کہ صاحب مجھ سے پوچھنے لگے کہ صاحب کیا یہ زبردست معاملہ ہے کہ لکھنؤ میں بھی کسی کو شیطان نے بہکا دیا ہو، بمبئی میں بھی شیطان نے بہکا دیا ہو، دہلی میں بھی بہکا دیا ہو، کلکتہ میں بھی بہکا دیا ہو۔

ایسا نہیں ہے۔ میں ایک مثال دے دوں تاکہ سب کی سمجھ میں آجائے جیسے چور۔ تو چور کسی کا نام تھوڑی ہے، جو چوری کرے گا وہ چور ہے۔ اب ایک ہی رات میں بمبئی میں بھی چوری ہوئی، کلکتہ میں بھی چوری ہوئی، لکھنؤ میں بھی چوری ہوئی، دہلی میں بھی چوری ہوئی۔ لوگوں نے کہا: صاحب! چور کہاں کہاں پہنچ گیا۔

تو چور ہر جگہ نہیں پہنچا بلکہ جہاں چوری ہوئی، جس نے چوری کی وہ چور ہے۔ ایسے ہی معاملہ شیطان کا ہے کہ جو اللہ والے کی تعظیم سے انکار کردے وہ شیطان ہے۔۔۔ (نعرۂ حیدری)

تو انسان شیطان بھی ہوتا ہے اس درجہ گر جاتا ہے کہ وہ شیطان ہوجاتا ہے

اور شیطان جو ہے نکالا ہوا جو مردود ہے اس پر قیامت تک کے لیے اللہ کی پھٹکار ہے تو انسانوں میں یہ کردار بھی ہے جس کا نام شیطان ہے۔

اب آیئے!

اس کے خالق نے اس کو نقصان میں بھی کہا ہے جو آیت میں نے شروع کی ہے:

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝

"تو انسان شیطان بھی ہے، انسان گھاٹے کا سوداگر بھی ہے"۔

اور بتاؤں آپ کو؟

قرآن نے انسان کو جانور کہا ہے۔

ارشاد فرمایا:

اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ

"یہ تو چوپائے ہیں بھیڑ بکریوں کے ریوڑ ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ گمراہ ہیں"۔

تو چوپایوں سے بھی بدتر ہیں۔ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ تو انسان کو چوپائے سے بھی تشبیہ دی گئی ہے۔ بھیڑ بکریوں سے بھی تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ بھی انسان ہیں۔

اور سنیے!

قرآن نے ان کو پتھر بھی کہا ہے۔

ارشاد ہوا:

فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً

"یہ تو پتھر ہیں بلکہ پتھر سے بھی زیادہ سخت"۔

پتھروں سے بھی کبھی چشمے پھوٹ پڑتے ہیں لیکن ان سے تو وہ بھی نہیں پھوٹتے۔

معلوم ہوا کہ انسان شیطان بھی ہے، انسان گھاٹے میں بھی ہے، انسان جانور بھی ہے، انسان پتھر بھی ہے، پتا نہیں انسان کیا کیا ہے۔ اب اسی کے واسطے اللہ نے رہبر بھیجے تاکہ وہ اس پتھر کو، اس جانور کو، اس خناس کو، اس گھاٹے کے سوداگر کو انسان بنا کر کھڑا کر دے ۔۔۔ (نعرۂ حیدری، صلواۃ)

اسی لیے رہبر آئے اور اسی لیے نظامِ حیات قائم ہوا کہ وہ اس انسان کو انسانیت میں تبدیل کر دے، تو آسمانی کتابیں انسانوں کے لیے آئیں۔ پیغمبرؐ انسانوں کے لیے آئے۔ امامؑ انسانوں کے لیے آئے۔ رہبرانِ دین انسانوں کے لیے آئے، تمام ہدایت کے انتظامات انسانوں کے لیے ہوئے۔ باقی جو کچھ ہے یہ انسان کے لیے ہے۔ اس کو آپ یوں سمجھ لیجیے کہ ایک سکول بنتا ہے، ایک کالج بنتا ہے تو بلڈنگ بھی بنتی ہے۔ بجلی کی سپلائی بھی ہوتی ہے، پنکھے بھی لگتے ہیں، فرنیچر بھی بنتا ہے۔ black board بھی بنتا ہے، لائبریری بھی ہوتی ہے، اسٹڈی روم بھی ہوتا ہے، استاد بھی ہوتے ہیں، پرنسپل بھی ہوتے ہیں، سب کچھ ہوتا ہے، کتابیں بھی فراہم کی جاتی ہیں۔

عزیزانِ گرامی!

یہ کس کے لیے ہوتا ہے؟ اس کے پیچھے مقصد کیا ہے؟

اس کے اندر لڑکے پڑھیں اور جہالت کا اندھیرا دُور ہو اور علم کی روشنی ان کے دماغوں میں پیدا ہو تو بنیادی مقصد کسی سکول یا کالج کے بننے کا جو ہے وہ یہ ہے کہ تعلیم ہو۔

اب اس کے اندر لڑکے جو آتے ہیں وہ کئی طرح کے آتے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جو دل لگا کر پڑھتے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جو تھوڑا دل لگا کر پڑھتے ہیں اور تھوڑا کھیل کود بھی کرتے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جنھوں نے اسکول بیگ کسی دکان میں رکھا اور کھیل کود کے لیے چلے گئے۔ چھٹی کے ٹائم گھر چلے گئے اور باپ سے کہہ دیا کہ سکول سے ہو آئے۔

عزیزانِ گرامی!

دنیا کے مدرسے میں بھی ایسے ہی ہیں، کچھ دل لگا کر پڑھ رہے ہیں، کچھ کچھ پڑھ رہے ہیں اور کچھ چھٹیاں کر رہے ہیں، کچھ بالکل نہیں پڑھ رہے ہیں، ہیں سب اسی اسکول کے اسٹوڈنٹس۔

عزیزانِ گرامی!

یہ بات بھی سوچنے کی ہے۔

میں آپ کے دماغ کو محض ایک سمت موڑنا چاہتا ہوں باقی detail میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ سمجھ دار ہیں خود ہی سمجھ لیں گے کہ اگر کسی کالج کا پرنسپل ریٹائرڈ ہونے لگے تو کیا لڑکوں کو حق ہے کہ وہ فیصلہ کریں کہ اس کے بعد کون بیٹھے گا ـــــ (نعرۂ حیدری)

عزیزانِ محترم!

انسان کو انسان بنانے کے لیے اور اس کے خیالات کو درست کرنے کے لیے مذہب آیا۔

سمجھ لیجیے بات کو ـــــ!

مذہب نے ہر وہ قدم اُٹھایا جس سے انسانیت کو فروغ ملے، انسانیت کی بنیاد پر اور انسان کی بنیاد پر فیصلے ہوئے۔

دیکھیے!

یہ اسلامی عبادتیں جو ہیں اس کے پیچھے جو فلسفہ ہے اس میں یہاں سے وہاں تک انسانیت جلوہ فگن ہے۔ نام مذہب ہے مگر جلوہ گری انسانیت کی ہے۔ دنیا میں انسانیت جس بات سے مجروح ہوتی ہے اور انسانیت کی جس چیز سے توہین ہوتی ہے وہ دنیا والوں کے یہ نظریے ہیں کہ یہ چھوٹا ہے، یہ بڑا ہے، یہ امیر ہے، یہ غریب ہے، یہ جتھے والا ہے، یہ اکیلا ہے، رنگ کی بنیاد پر بھی فیصلے ہوتے ہیں۔ یہ کالا ہے، یہ گورا ہے۔ اب دنیا میں نہیں رہا وہ system مگر آزادی اور غلامی کی بنیاد پر بھی انسانوں کے اندر تفریق برتی جاتی تھی کہ یہ آزاد ہے اور یہ غلام ہے، جنس کی بنیاد پر بھی تفریق برتی جاتی تھی کہ یہ عورت ہے، یہ مرد ہے۔

ہمارے پاس وہ عبادت جس کا نام نماز ہے، دیکھنے میں تو ایک اسلامی عبادت ہے جو صرف مسلمانوں پر فرض ہے لیکن آپ دیکھیے کہ اس کے اندر انسانیت پنپ رہی ہے کہ جماعت کی صف میں کوئی فرق نہیں ہے۔ آقا کے پہلو میں غلام کھڑا ہے، اس کے اندر جو پہلے آجائے گا وہ پہلی صف میں جگہ پائے گا جو دیر میں آئے گا وہ دوسری صف میں جگہ پائے گا، جو اس کے بعد آئے گا اس کو تیسری صف میں جگہ ملے گی۔ اب کبھی نہیں دیکھا ہم نے دنیا میں کہ کوئی شخص پہلی صف سے اٹھایا جا رہا ہو کہ آپ ہٹیے یہاں صاحب بیٹھیں گے۔ بڑے افسر ہیں وہ اور بڑے رئیس آدمی ہیں وہ یہاں بیٹھیں گے۔ آپ رئیس ہوں یا غریب ہوں، اللہ کی بارگاہ میں تو سب برابر ہیں تو نماز جو ہے وہ انسانیت کی اہمیت کو اُجاگر کرتی ہے اور اس کا مقام بتا رہی ہے۔

دوسری چیز یہ کہ انسان بڑا مغرور ہے کہ کسی کو خاطر ہی میں نہیں لاتا۔ ہاتھی سب سے بڑا جانور خشکی کا اس کو چلانے کے لیے نہ لگام استعمال کرتا ہے اور نہ مہار

ڈالتا ہے۔ خالی پیر کے انگوٹھے سے چلاتا ہے۔ گھوڑے کے لیے لجام ہے، اُونٹ کے لیے مہار ہے۔ ہاتھی کے لیے کچھ نہیں ہے جو اس پر بیٹھتا ہے وہ اس کو خالی پیر کے انگوٹھے سے چلاتا ہے۔ اتنا مغرور ہے۔

شیر، جس کو دیکھ کر آدمی دہل جائے، کلیجہ پھٹ جائے، اس کو سدھار لیتا ہے اور سرکس میں اس سے پیسے کماتا ہے۔ کچھ تھوڑا بہت اس کو کھلا دیتا ہے کہ مر نہ جائے باقی اس کے ذریعہ سے خوب پیسے وصول کرتا ہے۔

سمجھے آپ؟!

تو شیر کو اس نے کھلونا بنایا ہے، اس کا کھلونا ہے شیر۔ تماشے دکھاتا ہے۔ بچے آکر دیکھتے ہیں، تالیاں بجاتے ہیں، خوش ہوتے ہیں۔ لوگ گھر والوں کے ساتھ آتے ہیں اور شیر کے کرتب دیکھتے ہیں۔ پہاڑ اپنی عظمت اور اپنی جلالت کے ساتھ کھڑا ہے۔ اس کے راستے میں آیا۔ اس نے اس کے اندر سے سرنگ نکالی اور اُدھر نکل گیا، پہاڑ کا کلیجہ چیر کے نکل گیا۔

سمندر جو لاکھوں کو غرق کر دے، اس کو دشواری ہوئی اس کے عبور کرنے میں تو اس نے سمندر میں رستے بنا لیے۔ اتنا مغرور، اتنا سرکش، مدتوں تاروں بھری رات میں ستاروں کو دیکھ کے اور چاند کو دیکھ کے سوچتا رہا کہ کیا ہے یہ! کیا ہے یہ! ایک دن جو غصے میں آیا اور jumy لگائی تو چاند پر ٹہلنے لگا۔

کسی کو خاطر میں لانے والا نہیں ہے، کسی کی پرواہ کرنے والا نہیں ہے۔ طاقت عمدہ چیز ہے، بہترین چیز ہے طاقت مگر اسی وقت تک جب تک کنٹرول میں رہے۔ طاقت اگر کنٹرول سے نکل جائے تو خطرناک ہے۔ دنیا میں بربادی پیدا کر دے گی۔

اللہ نے مذہب کو اس انسان جیسی مشین کو کنٹرول کرنے کے لیے بھیجا ہے۔
ہر ایک کی طاقت معین ہے۔ یہ جو ٹرین چلتی ہے، بمبئی سے کلکتہ تک کروڑوں ٹن کا وزن اٹھائے چلتی ہے۔ اس انجن میں ایک طاقت ہوتی ہے جس سے یہ پتا چلتا ہے اور یہ جو جہاز چلتے ہیں ان کے انجنوں کی بھی ایک طاقت ہے، ایک حد معین ہے ان کی بھی۔

انسان کی طاقت کتنی ہے؟!

یہ آج تک معلوم ہی نہیں ہو سکا۔ اس کی طاقت کی کوئی حد ہی نہیں ہے کہ یہ کتنا قوی ہے۔ اللہ نے یہ مشین تو بنا دی، ناانصافی ہوتی اگر بریک نہ بناتا۔ اللہ نے اس انسان کو کنٹرول کرنے کے لیے جس بریک کو بنایا ہے اس کا نام مذہب ہے۔ اب یہ نماز جو ہے آپ کی یہ درحقیقت انسان کو اس کی حقیقت یاد دلاتی ہے اور اس کو کنٹرول میں رکھتی ہے۔ جب آدمی سجدے میں جاتا ہے اور سر خاک پر رکھتا ہے تو اس کو یہ احساس دلاتی ہے نماز کہ تو اتنا حقیر ہے کہ تجھے سر پہ خاک رکھنا چاہیے، اپنی طاقت پہ گھمنڈ نہ کرنے لگنا۔

سمجھے آپ؟!

ایسے ہی روزہ ہے۔

دیکھیے!

بھوک بڑی ظالم چیز ہے لیکن رئیس کیا جانے اس کا مزہ مال دار کیا جانے اس کا مزہ جن کے دسترخوان پر یہاں سے وہاں تک کھانوں کی قطاریں ہوتی ہیں وہ کیا جانیں کہ جب کچھ نہیں ہوتا، کھانے کو اور بچے روتے ہیں تو آدمی کے دل پہ کیا گزرتی ہے؟

دیکھیے!

یہ مذہب کی بات نہیں ہے، انسانیت تڑپتی ہے اگر کسی کا بچہ بھوکا رو رہا ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ فقط مسلمان کا بچہ روئے تو انسانیت کو دکھ ہوگا اور ہندو کا بچہ روتا ہے تو رونے دو۔ ایسا نہیں ہے۔ انسان کا بچہ بھوکا ہے اس کو غذا ملنی چاہیے۔ بیمار ہے اس کو دوا ملنی چاہیے۔ اس کے پاس کپڑے نہیں ہیں اس کو کپڑے ملنے چاہییں۔ تو غریبوں کو احساس تھا بھوک کا، پیاس کا، مفلسی کا، امیروں کو نہیں۔ وہ صحراؤں میں سفر کرتے تھے تو تب بھی ہر چیز ضرورت کی ان کے ساتھ رہتی تھی۔ ان کے لیے ہر جگہ خیمے لگتے تھے۔ ان کا باورچی خانہ ساتھ چلتا تھا۔ ان کے کچن میں سفر میں بھی ہر طرح کے کھانے پکتے تھے۔

کیا اسلام نے کہا کہ یہ انسانیت کے ساتھ انصاف نہیں ہے کہ ایک کھاتا رہے اور ایک بلبلاتا رہے۔ ان کو بھی بھوک کا احساس چکھنا پڑے گا تو کیسے چکھائیں۔

تو کسی کا مال چھین لینا بھی انصاف نہیں ہے کہ ہم نے آپ کے بنک کا اکاؤنٹ بند کروا دیا طاقت سے کہ اب تم بھی فاقے کرو۔ یہ مذہب نہیں ہے۔

کہا: نہیں! اس کو ایک عبادت کی شان سے لائیں گے تاکہ تمھیں یہ احساس بھی نہ ہو کہ تمھاری توہین ہو رہی ہے مگر یہ پتا چل جائے کہ غریب کی بھوک کیا ہوتی ہے۔

ذرا سنیے آپ!

اسلامی عبادتوں کی حکمت کیا ہے؟

ایک مہینہ روزے رکھوائے اور وہ بھی چاند کے کیلنڈر سے، سورج کے کیلنڈر سے نہیں۔ چاند کا کیلنڈر گھومتا ہے، کبھی ماہِ رمضان جنوری میں ہے، کبھی جون میں ہے، کبھی بھری برسات میں ہے اور کبھی موسمِ خزاں میں ہے۔ مختلف موسموں میں مہینہ بھر بھوکے رہ کے احساس کرو کہ غریب کیا ہے؟

عزیزانِ گرامی!

یہ بھی سن لیجیے! اس کے اندر ایک بہت بڑا معاملہ اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب یہ مہینہ تمام ہونے لگتا ہے تو اس وقت ہر مسلمان پر فطرہ واجب ہو جاتا ہے۔ فطرہ جو ہے وہ ایک ٹوکن (Amount) ہے۔ بہت چھوٹی سی رقم ہوتی ہے ہزاروں لاکھوں میں نہیں ہوتا۔

کہا: یہ شب عید ہے، نماز سے پہلے فطرہ نکال دو۔ اس کے اندر ایک مصلحت یہ ہے کہ غریبوں کی عید ہو جائے اور دوسری مصلحت یہ ہے کہ فطرہ نکالنے والے کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم غریب تک پہنچاؤ۔ آپ شب عید جو فطرہ نکالتے ہیں تو یہ آپ کی duty ہے کہ آپ فطرہ لے کر غریب کے گھر تک جائیے، غریبوں کو اسلام نے یہ حکم نہیں دیا ہے کہ اے مسلمان غریبو! تم مال داروں کے گھروں میں جا کر فطرہ لے آیا کرنا، وہ دیں گے تمھیں۔

ایسا نہیں ہے!

غریب اپنے گھر میں رہے گا، آپ عزت سے لے جا کر اس تک پہنچائیے تاکہ امیروں کو احساس ہو کہ ان کی سوسائٹی میں غربت کہاں کہاں ہے؟

سمجھئے بات کو!

پھر یہ آپ کا فریضہ ہے کہ آپ سال بھر تک یہ دیکھیں کہ ان کے ہاں کھانے کا کوئی انتظام ہے کہ نہیں۔

یہ ماہِ رمضان کا فلسفہ ہے۔ اسی طرح حج ہے۔ یہ سمجھئے کہ یہ اسلام کی بڑی ریلی ہوتی ہے۔ سال بھر میں جس کے اندر ہر ملک کے لوگ ہر جگہ کے لوگ جا چکے ہیں وہ واقف ہیں، جو نہیں گئے ہیں، اللہ انھیں موقع دے (آمین) کہ وہ جائیں اور خیریت

سے آئیں۔

ہاں۔۔۔!

یہ بہت ضروری ہو گئی ہے دُعا۔ اللہ حج کو بھیجے تو آپ کو مگر خیریت سے واپس بال بچوں میں آجایئے اس لیے کہ کچھ دنیا میں ایسے حالات رُونما ہو گئے ہیں جس سے دلوں کو بڑی بے چینی اور بڑی پریشانی لاحق ہو گئی ہے۔

خدا کی قسم! اتنی عمر میں ہم نے آنکھیں کھلی رکھ کر نہ جانے کیا کیا دیکھ لیا، جوانی میں ہم نے پڑھا اور کتابیں پڑھا کرتے تھے اس کے اندر واقعات جو تاریخی ہیں وہ ملتے تھے لیکن بڑھاپا آتے آتے سینکڑوں واقعات ایسے تھے جو ہم نے پڑھے تھے اس کے عملی نمونے دیکھ لیے۔ کتاب میں جو پڑھا تھا وہی معلوم ہوا کہ جیسے خواب دیکھا تھا وہی دُہرایا جا رہا ہے۔ ہم نے کتاب میں پڑھا تھا اور چودہ سو سال سے پروپیگنڈہ چل رہا ہے کہ کربلا میں جو کچھ ہوا وہ برا ہوا مگر اللہ کی مصلحت یہی تھی۔ معلوم ہوا کہ جو کچھ الزام ہے وہ اللہ پر ہے۔ یہ صاحب نکل آئے بیچ کر کہ اللہ کی مصلحت یہی تھی۔ اب کیا ہو سکتا تھا۔ یہی اب ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اس سانحہ پر تعزیت کے بدلے مفتی صاحب کا فیصلہ آگیا کہ اللہ کی مصلحت ہی یہی تھی۔ ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔

عزیزانِ گرامی!

حج بھی ایک عظیم عبادت ہے جس کے اندر اگر جایئے آپ تو دیکھیے مختلف رنگ، مختلف نسل، مختلف قدوقامت، مختلف زبانوں کے لوگ چلے آرہے ہیں۔ اللہ کے گھر کا طواف کرنے کے لیے، عبادت میں شامل ہونے کے لیے۔ اپنے رب کو پکارنے کے لیے چلے آرہے ہیں۔ اس کے اندر یہ حیاتِ اجتماعی اور انسانی کردار اور

انسانی زندگی کے مختلف حصے جو ہیں ان کو اُجاگر کرنے کا ایک طریقہ ہے۔

عزیزانِ گرامی!

حج ہم کو اس بات کی یاد دلاتا ہے کہ ہم مسلمان ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہوں اور عالم میں اس عظیم عبادت میں آنے والے انسانیت کی اور انسانوں کی کیا خدمت کر سکتے ہیں۔ صحیح معنوں میں منظر انسانیت وہیں نظر آتا ہے۔ بمبئی میں آپ نماز پڑھیے تو آپ کو صفوں میں ایک ہی طرح کے لوگ نظر آئیں گے۔ لکھنؤ میں پڑھیے تو ایسے ہی، جہاں جائیے گا وہاں آپ کو اسی طرح کے لوگ ملیں گے مگر یہاں صفوں میں مختلف قومیں، مختلف رنگ، مختلف نسلیں، مختلف خاندان، مختلف ملک ـــــ وہاں جا کر سب ایک ہو جاتے ہیں۔

دیکھیے!

یہ معاملہ جو ہے اس کو یوں سمجھ لیجیے کہ اصل میں مذہب کا فلسفہ سمجھئے کہ کیا ہے؟ جس طریقے سے کہ ہندستان بہت بڑا ملک ہے اور یہاں جو دریا بہتے ہیں یہ دریا، وہ دریا، اس کے بعد وہ سارے دریا جا کر سمندر میں ایک ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی مل گیا وہ بھی مل گیا۔ وہ سارا پانی جو ہے وہ سمندر میں چلا جاتا ہے۔

بس!

یہ سمجھ لیجیے کہ حج جو ہے وہ انسانیت کا ایک سمندر ہے۔ جہاں مختلف ملک کے لوگ، مختلف علاقوں کے لوگ، مختلف زبانوں کے لوگ، مختلف رنگ و نسل کے لوگ چلے آ رہے ہیں اور مسجد حرام کے سمندر میں آ کر سب ایک ہو گئے۔ عرفات کے سمندر میں آ کر سب ایک ہو گئے۔ اس طریقے سے سب یکجا ہو جاتے ہیں تو حج بھی حیاتِ اجتماعی کا ایک بڑا عظیم مسئلہ ہے۔

ذکرِ مصائب (امامؑ کا حج)

عزیزانِ گرامی!

ان شاء اللہ زندگی آگے بڑھی تو کل آپ کو سناؤں گا کہ اسلام مذہب انسانیت کا نام ہے۔ کل میں مجلس پڑھوں گا لیکن غیروں کے لیے پڑھوں گا اپنوں کے لیے نہیں تا کہ ان کو معلوم ہو کہ مذہب کیا ہے اور اسلام کیا ہے۔ اسلام دینِ انسانیت ہے۔ یہ ان شاء اللہ کل آپ کی خدمت میں عرض کروں گا۔ آج تو صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ یہی حج تھا جس میں قتل وخون حرام ہے۔ جس میں ظلم وجور حرام ہے۔ جس میں جانوروں تک کا مارنا حرام ہے، جس میں درخت سے ایک پتی توڑ لینا بھی صحیح نہیں ہے، مکمل امن وامان رہنا چاہیے۔ حج کے موقع پر اور وہاں احرام کے لباس میں خنجر چھپائے ہوئے لوگ قتل حسینؑ کے واسطے جمع ہیں۔

امام حسین علیہ السلام نے رجب کی ۲۸ تاریخ کو مدینہ چھوڑ دیا تھا۔ آٹھویں ذوالحجہ کو مکہ بھی چھوڑ دیا۔ آٹھویں ذوالحجہ بڑی اہم تاریخ ہوتی ہے اور جو لوگ حج کو جا چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ آٹھویں ذوالحجہ کی اہمیت مکہ میں کیا ہے۔

یہ تین دن آٹھ، نو اور دس ان کے اسلام میں تین نام ہیں:

۱- آٹھویں ذوالحجہ کی تاریخ کا نام ہے یومِ ترویہ۔

۲- نویں ذوالحجہ کی تاریخ کا نام ہے "یومِ عرفہ"۔

۳- دسویں ذوالحجہ کی تاریخ کا نام ہے "یومِ نحر"۔

یومِ ترویہ وہ دن ہے جس دن حاجی حج کا لباس پہن کر، احرام باندھ کے مکہ سے روانہ ہوتا ہے۔ یومِ عرفہ وہ ہے جس میں حاجی دن میں میدانِ عرفات میں قیام کرتا ہے۔

یومِ نحر وہ ہے جس میں حاجی منیٰ میں پہنچ کر شیطان کو کنکر مارتا ہے اور جانور قربان کرتا ہے۔ یہ تین دن ہیں اور تین دن اس کے فرائض ہیں۔ یومِ عرفہ اور یومِ نحر سے پہلے جو یومِ ترویہ آتا ہے اس کے اندر ہر حاجی مکہ میں اس دن ضرور ہوگا اور جو اس دن مکہ میں نہیں ہوگا اس کا حج اس سال نہیں ہو پائے گا۔

بس!

سورج چڑھ چکا تھا۔ باب ابراہیم پر ہلچل ہوئی اور لوگوں نے دیکھا کہ امام حسینؑ دوہرے انسانی حلقہ میں بابِ ابراہیمی میں داخل ہو رہے ہیں۔ امام علیہ السلام کو ان کے خاندان والے حلقہ میں لیے ہوئے ہیں اور ان کے خاندان والوں کو امام علیہ السلام کے چاہنے والے حلقہ میں لیے ہوئے ہیں اور امام علیہ السلام یہ کہتے ہوئے آ رہے ہیں:

> ''اس اللہ کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، میں اپنے حج کو عمرے سے اس لیے بدل رہا ہوں کہ یہاں حاجیوں کے لباس میں میرے قاتل آ گئے ہیں۔ میں مکہ سے اگر ایک بالشت باہر نکل کر قتل کر دیا جاؤں تو مجھے گوارا ہے۔ مجھے یہ گوارا نہیں ہے کہ حدودِ مکہ کی ایک بالشت اندر قتل ہوں تا کہ اس زمین کی حرمت ضائع ہو''۔

یہ کہتے ہوئے امام حسین علیہ السلام آئے ہیں طواف کرنے اپنے حج کو عمرہ میں بدلنے کے لیے۔

عزیزانِ گرامی!

یہ دوہرے انسانی حلقے میں آٹھویں ذوالحجہ ۶۰ ہجری کو آنے والا ٹھیک ایک مہینہ دو دن کے بعد دسویں محرم ۶۱ھ کو کربلا کے میدان میں اکیلا کھڑا ہے اور آواز

دے رہا ہے:

هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا

"ہے کوئی میرا مددگار جو میری مدد کرے"۔

تاریخ بتاتی ہے کہ یہ قافلہ نکلا۔ یہ قافلہ چلتا رہا۔ راستے میں حُرؒ کا لشکر ملا۔ حُر کے پیاسے لشکر کو پانی پلایا، آگے بڑھے۔ آج دوسری محرم کو کربلا کی زمین پر پہنچ گئے۔ پہلے نہر پر خیمے لگانا چاہے مگر دشمن نے منع کیا۔ امام علیہ السلام نے خیمے ہٹوا دیے۔ خیمے ریتی پر دُور نصب ہوئے۔ اب تاریخیں گزرتی گئیں، کربل آباد ہوگئی، ہمیشہ کے لیے آباد ہوگئی مگر مدینہ میں جنابِ فاطمہؑ کا گھر ویران ہوگیا۔

آج دوسری محرم کو امام حسین علیہ السلام کے خیمے کربلا میں لگ چکے ہیں۔ عباسؑ خیمے کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ بچے بہت تھکے ہوئے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ آرام کر رہے ہوں۔ سیدانیاں بہت خستہ حال تھیں ہوسکتا ہے کہ سکون سے بیٹھی ہوں۔

میں کہوں گا: بیبیوں! آٹھ رات تو سکون سے بیٹھ جاؤ، جب نویں رات آئے گی پھر سکون نہیں ملے گا۔

بس عزادارو!

محرم کی تیسری رات سے، آج تیسری رات ہے نا؟! محرم کی تیسری رات سے دسویں رات تک خیموں کا پہرا حضرت عباسؑ دیتے تھے اور دسویں دن جب خیمے جل گئے تو جلی کناتوں کا پہرا زینبؑ دے رہی تھیں۔

حیدرآباد میں میرے ایک دوست تھے۔ وہ شاعر بڑے اچھے تھے۔ ان کے چار مصرعے میں اکثر پڑھتا ہوں۔ مجھے بہت پسند ہیں۔

وہ کہتے ہیں:

دُور ہے اب درس گاہ جور و استبداد سے
اُٹھ نہیں سکتا شور نالہ و فریاد سے
تو شہیں جاگا ہوا تھا پاسبانِ اہلبیتؑ
سو گیا پہرا بدل کے زینبؑ ناشاد سے

اب جب دسویں رات آئی تو علی اکبرؑ سو چکے تھے، عباسؑ جا چکے تھے، حسینؑ آرام کر رہے تھے ــــ زینبؑ نیزہ لیے ہوئے بے کس سیّدانیوں کے گرد پہرا دے رہی تھی۔

وَسَيَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَىَّ مُنۡقَلَبٍ يَّنۡقَلِبُوۡنَ○

مجلسِ چہارم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ارشادِ رب العزت ہے:

وَالْعَصْرِ ۝١ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝٢ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝٣

''عصر کی قسم! تمام انسان گھاٹے میں ہیں سوائے ان کے جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے اور وہ لوگ جو ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے ہیں اور وہ جو ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرتے ہیں''۔ (سورۂ عصر)

عزیزانِ گرامی!

میں نے آپ کی خدمت میں کل یہ بات عرض کی تھی کہ آج کی مجلس میں یہ چاہوں گا کہ اگر کوئی غیر مسلم سن رہا ہے تو اس کو تھوڑے غور اور سنجیدگی سے سنے، اور دوسری بات جو آپ سے گزارش ہے، وہ یہ ہے کہ اس کا مضمون اگر ذہن میں رہ جائے تو آپ اپنے اُن دوستوں اور ساتھیوں تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ جو مسلمان نہیں ہیں اس لیے کہ حالات کچھ ایسے ہیں کہ ہماری تصویر دُنیا کے سامنے بگڑی ہوئی ہے اور اس بگڑی ہوئی تصویر میں جہاں بہت سی غلط فہمیاں ہو رہی ہیں وہیں ہماری بعض کمیاں (کمزوریاں) بھی اس کے اندر شامل ہیں۔ ہم اپنے پڑوسیوں سے یہ تو اُمید

رکھتے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کریں مگر ہم کبھی اپنا پیغام اُن تک پہنچانے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس کی وجہ سے آپس میں غلط فہمی بڑھتی ہے اور ایک دوسرے کو سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ میں چاہتا ہوں کہ یہ بات لوگوں تک پہنچے۔

اسلام درحقیقت دینِ انسانیت ہے۔ انسانی حقوق کو فروغ دینے کے لیے اور انسانی اقدار کو بلند کرنے کے لیے اور انسانیت کے معیار کو اُوپر اُٹھانے کے واسطے اسلام اس دنیا میں آیا۔ اب یہ اور بات ہے کہ بعد میں اس کے اُوپر مختلف ٹھپے لگا دیئے گئے یا مختلف سمتوں سے اسے دیکھنا شروع کیا گیا یا مختلف عینکوں سے اس کو دیکھنا شروع کیا گیا تو اس کے مختلف رُوپ نظر آئے ورنہ درحقیقت اسلام ایک مذہب انسانیت ہے۔

اب میں آپ کے سامنے ایک مختصر سا خاکہ اس کا پیش کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام نے جو باتیں کہی ہیں اور جو بنیادی باتیں سمجھائی ہیں وہ دنیا کے ہر مذہب میں common ہیں، جو جو مذہب انسان مان رہے ہیں۔

سب سے پہلی بات جو اسلام ہم کو سمجھاتا ہے وہ یہ ہے کہ اپنے خالق اور اپنے پیدا کرنے والے کو مانو۔ یہ کون سا مذہب ہے جو کہتا ہے کہ نہ مانو؟ یہ کس کا پیغام ہے جو کہتا ہے کہ نہ مانو؟

یہ اور بات ہے کہ ملکوں کے فرق سے، زبانوں کے فرق سے، علاقوں کے فرق سے، تہذیب اور کلچر کے فرق سے نام بدل جائیں لیکن کسی ایک کے سامنے سر کا جھکانا اور کسی کی پرستش کرنا اور کسی کو ماننا۔ تو اسلام بھی کہتا ہے کہ اپنے رب کو مانو، اپنے اللہ کو مانو۔ اب ہم اللہ کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ آپ لوگ کچھ اور کہتے ہوں مگر کوئی ہے تو جس نے اس کائنات کو بنایا ہے۔

تو اسلام کہتا ہے کہ اپنے رب کو مانو اور جس نے تمھیں خلق کیا ہے اس کے آگے جھکو، تو یہی نہیں ہے کہ مسلمان کہتے ہیں بلکہ ہندو بھی کہتے ہیں کہ کسی کو مانو۔ عیسائی بھی یہی کہتے ہیں کہ کسی کو مانو۔ پارسی بھی یہی کہتے ہیں کہ کسی کو مانو۔ یہودی بھی یہی کہتے ہیں کہ کسی کو مانو۔ خالی یہ نہیں ہے کہ ہم اکیلے ہیں پوری دنیا میں جو کہتے ہیں کہ کسی کو مانو بلکہ سب کہتے ہیں لیکن اب یہ اور بات ہے کہ مانو تو اِس طرح مانو، اُس طرح مانو۔ بعض تفصیلات ہیں۔

قرآن مجید میں اس کے سلسلے میں آیات موجود ہیں۔ جنابِ ابراہیمؑ کی گفتگو موجود ہے کہ کیا تم ان کو مانو گے جو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں، نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ جنابِ یوسفؑ کی گفتگو موجود ہے۔ سورۂ یوسف میں اپنے قیدخانے کے ساتھیوں سے کہ ذرا سوچ کے بتاؤ کہ ایک اللہ بہتر ہے یا متعدد معبود بہتر ہیں۔ یہ تمام چیزیں اپنے مقام پر ہیں مگر کسی کو مانو جس نے تمھیں creat کیا ہے، اپنے Creater کو مانو، اپنے خالق کو مانو، اپنے مالک کو مانو۔ یہ پہلی آواز ہے۔

دوسری چیز جو اسلام کہتا ہے: وہ یہ ہے کہ اپنی نسل کو صحیح رکھو۔ تو دنیا میں کون سا مذہب ہے جو کہتا ہے کہ نسل خراب کرو۔

اسلام میں نکاح ہے تو کیا غیر مسلموں کے ہاں نکاح کی رسم نہیں ہے؟ اب اس کا نام بدل دیا۔ ہم نکاح کہتے ہیں وہ ایک دوسرا لفظ کہتے ہیں۔ یہ ایک الگ معاملہ ہے۔ دیکھیے!

ایک طریقہ ہوتا ہے جیسے ہمارے ہاں مولوی آتے ہیں، قاضی آتے ہیں، مفتی آتے ہیں، ان کے پنڈت آتے ہیں۔ عیسائیوں کے ہاں بھی چرچ میں جاتے ہیں وہاں نکاح ہوتا ہے۔ یہودیوں کے ہاں بھی یہی چیز ہے۔ دنیا کے ہر مذہب میں یہ

چیز ہے۔ تو نکاح جو ہے وہ دنیا کے ہر مذہب میں اپنے اپنے طریقے سے ہے اور اسلام اتنا فراخ دل مذہب ہے کہ اس نے کھل کر یہ بات کہہ دی:

لِكُلِّ قَوْمٍ نِكَاحٌ

"ہر قوم کا نکاح صحیح ہے"۔

یعنی اس میں کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہے کہ ہندو کا نکاح ہم مانیں گے نہیں کہ ہمارا نکاح صحیح ہے لیکن ہندو کا صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ ہندو ہیں۔ عیسائیوں کا نکاح ہم مانیں گے کہ نہیں۔ اس لیے کہ وہ عیسائی ہیں۔ یہودیوں کا نکاح ہم مانیں گے کہ نہیں اس لیے کہ وہ یہودی ہیں۔

ایسا نہیں ہے۔۔۔!

جس کے مذہب میں جو طریقہ رائج ہے وہ اپنے مذہب سے نکاح کرے۔ اسلام اس کو تسلیم کرتا ہے۔ اگر ہندو پنڈت کہتے ہیں کہ نکاح ٹھیک ہے تو ٹھیک ہے۔ اسلام کہتا ہے ٹھیک ہے۔ اگر عیسائی پادری کہتا ہے کہ ٹھیک ہے۔ یہودیوں کا عالم کہتا ہے کہ ٹھیک ہے تو ٹھیک ہے۔ ہمیں اس پر اعتراض نہیں ہے کہ غلط ہے اس لیے کہ اس کا مذہب اور ہمارا مذہب الگ الگ ہے۔

نہیں۔ تو اپنے Creater کو مانو یعنی اپنے دین کی بات مانو۔ اپنی نسل کو ٹھیک کر رکھو یعنی نکاح کرو، برائی سے بچو۔

کون سا مذہب ایسا ہے جو کہتا ہے کہ برائی کرنی چاہیے؟ آپ مجھے اس مذہب کا نام لے کر بتایئے، ہر مذہب برائی کی مخالفت کرتا ہے۔

تیسری چیز جو اسلام کہتا ہے وہ یہ ہے کہ جان کی حفاظت کرو، اپنی جان کی بھی حفاظت کرو اور دوسرے کی جان کی بھی حفاظت کرو، اپنی جان کی بھی حفاظت کرو اس

لیے کہ تم اللہ کی ملکیت ہو اور دوسرے کی جان کی بھی حفاظت کرو اس لیے کہ وہ بھی اللہ کی ملکیت ہے۔ تمھیں کسی کی جان لینے کا حق نہیں ہے اسی لیے اسلام میں خودکشی بھی حرام ہے اور کسی کو قتل کرنا بھی حرام ہے۔

اب آپ مجھے دُنیا کا وہ مذہب بتایئے کہ جو خودکشی کی اجازت دیتا ہے یا کسی دوسرے کو مار ڈالنے کی اجازت دیتا ہے۔

سب مذہب ان دونوں چیزوں کی اجازت نہیں دیتے، اس لیے کہ خودکشی بھی جرم ہے اور دوسرے کو مار ڈالنا بھی جرم ہے۔

اسلام نے انسانی زندگی کی اہمیت کو اس قدر بڑھایا ہے کہ انسان کو ایک بہت بڑے درخت سے تشبیہ دی جیسے آم کا درخت جس پر اُوپر سے لے کر نیچے تک آم ہوتے ہیں تو بڑے بڑے ٹوکرے آموں کے اس سے اُتارے جاتے ہیں اور لوگ کھاتے پیتے ہیں۔ یہ پورے آم کے درخت کی بنیاد جو ہے وہ ایک چھوٹے آم کی گٹھلی ہے جو کسی شخص نے کبھی بوئی تھی اور اس سے یہ درخت نکلا ہے اور اب اس کے اندر آم لگ رہے ہیں۔ اب برسوں لگتے رہیں گے جتنی بھی اس کی عمر ہے، اس میں آم لگتے رہیں گے لیکن ان تمام آموں کی جو اس میں لگیں گے بنیاد وہ ایک گٹھلی ہے جو آج سے کئی برس پہلے زمین میں بوئی گئی تھی۔ اسلام انسان کو وہ بیج تصور کرتا ہے جس سے انسانیت کا درخت نکلا ہے، جس کے اندر ساری دنیا کے انسان پھلوں کی طرح لگے ہوئے ہیں۔ اسی لیے قرآن کہتا ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا
قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ط وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا
النَّاسَ جَمِيْعًا ط (سورۂ مائدہ: آیت ۳۲)

"جس نے ایک آدمی کو مار ڈالا اس نے ساری دنیا کو مار ڈالا اور
جس نے ایک کی جان بچائی اس نے ساری دنیا کی جان بچائی"۔
تو جان کی حفاظت کرو، اپنی جان کی بھی اور دوسرے کی جان کی بھی۔

عزیزانِ گرامی!

چوتھی چیز جو اسلام نے بتائی وہ یہ ہے کہ اپنے مال کی حفاظت کرو۔ اسی بنیاد کے اُوپر اسلام نے چوری کو حرام قرار دیا ہے۔ چوری کرنا اسلام میں حرام ہے۔ اب آپ مجھے دُنیا کے کسی ایسے مذہب کا نام لے کر بتایئے جو کہتا ہے کہ چوری ٹھیک ہے۔ جس کا جو ہاتھ لگے بچا لو ٹھیک ہے۔ ہر مذہب چوری کو برا کہتا ہے۔ ہر قانون چوری کو برا کہتا ہے۔ ہر آدمی چوری کو برا کہتا ہے۔ تو چوری جو ہے وہ پوری انسانی دُنیا میں بری مانی جاتی ہے۔

پانچویں چیز جو ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کہتا ہے کہ اپنی عقل کی حفاظت کرو اور وہ تمام جو اللہ نے تمھیں دیا ہے اس کو ہمیشہ active رکھو اور اُوپر سے کنٹرول کھو نہ دو ورنہ تباہی میں پڑو گے۔ اسی لیے شراب کو حرام کیا ہے اس لیے کہ شراب جو ہے وہ انسانی دماغ پر اثر کرتی ہے اور انسان اپنے قابو میں نہیں رہتا ہے لہٰذا شراب حرام ہے۔

اب آپ مجھے بتایئے کہ وہ کون سا مذہب ہے جو کہتا ہے کہ جی خوب ڈٹ کے شراب پیو۔

دیکھیے!

پینے والے تو پیتے ہیں یہ ان کا ذاتی فعل ہے لیکن مذہب جو ہے وہ اس سے منع کرتا ہے اور مذہب اس کو پسند نہیں کرتا۔

تو اسلام جو ہے وہ دینِ انسانیت ہے۔ اب ہم نے اس پر ٹھپے لگا دیے۔

عزیزانِ گرامی!

میری ایک مثال بچے سن لیں تاکہ بات جو ہے وہ اچھے طریقے سے واضح ہوجائے۔

یہ اسلام کو آپ یوں سمجھ لیجیے ایک مثال سے کہ ہندوستان میں جو سب سے بڑا دریا بہتا ہے اور جس کا پورے ہندوستان میں بہت بڑا نام ہے وہ ہے "گنگا"۔

گنگا جو ہے وہ ہندوستان کا سب سے بڑا دریا ہے۔ یہ دریا ہمالیہ کی اُوپر کی پہاڑیوں سے نکلتا ہے اور اُوپر سے نیچے آتا ہے۔ ہمارا نیا صوبہ جو "اتر اکھنڈ" بنا ہے اُدھر سے ہوتا ہوا اتر پردیش میں آتا ہے۔ کانپور، الٰہ آباد، بنارس، پٹنہ سے ہوتا ہوا بہار سے گزرتا ہوا بنگال میں داخل ہوجاتا ہے اور بنگال سے بے آب بنگال میں جاکر گرجاتا ہے۔ یہ اس کی جغرافیائی پوزیشن ہے۔ اگر آپ وہاں پہ جایئے جہاں سے اس کے سوتے پھوٹ رہے ہیں اور جہاں سے یہ نکل کے چل رہا ہے اور بہترین اعلیٰ قسم کے شیشے کا گلاس لیجیے۔ اس کے اندر تھوڑا سا پانی ڈالیں اور گلاس پانی سے بھریئے تو اتنا صاف شفاف پانی اور زندگی بخش حیات دینے والا کہ آج جو صاف پانی کی بوتلیں بازار میں بکتی ہیں یہ پانی اُس پانی کے سامنے کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا۔

سمجھے آپ!

تو بہترین پانی ہے، لاجواب پانی ہے۔ اسی گنگا کا پانی جب ہم کانپور سے اس گلاس میں لیتے ہیں یا الٰہ آباد، بنارس سے تو وہ اتنا مَیلا ہے کہ دیکھنے کو دل نہیں کرتا اور ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اس کو پی نہ جایئے گا ورنہ آپ کی جان کو خطرہ ہے۔ اس کے اندر اتنی گندگی ہے اتنی آلودگی ہے اور اتنی آمیزش ہے کہ یہ زندگی کے لیے مفید نہیں ہے، خطرناک ہے اور اگر آپ کو مجبوراً پینا بھی پڑے تو پہلے اس کو اُبال لیجیے۔ کسی کپڑے

میں چھان لیجیے۔ اس کو filter کر لیجیے۔ اس کے بعد پی لیں تو ٹھیک ہے ورنہ اگر ایسے ہی پی لیں گے تو بیمار ہو جائیں گے اور آپ کی جان کو بھی خطرہ ہے۔

معلوم ہوا کہ ہے وہی گنگا، ایک جگہ حیات بخش ہے، ایک جگہ زندگی کے لیے خطرہ ہے۔

عزیزانِ گرامی!

آج سے چودہ سو برس پہلے جب اسلام کے سوتے پھوٹے تھے اس وقت اسلام کچھ اور تھا آج چودہ سو برس کی مسافت طے کرتا ہے اور یہاں تک آتا ہے تو آج دُنیا کو اس میں موت کا خطرہ دکھائی دے رہا ہے۔۔۔ (نعرۂ حیدری)

سمجھئے بات کو اور سمجھایئے دوستوں کو!

اپنے دوستوں کو سمجھایئے کہ ابھی تم اسلام کو سمجھے نہیں کہ وہ کیا ہے؟

دریا نے چودہ سو کلومیٹر کی مسافت اگر طے کی تو جس علاقے سے گزرا اس علاقے کے اثرات اس نے لیے، جن جنگلوں سے گزرا، جن شہروں سے گزرا وہاں کے نالے اس میں شامل ہوئے، جن فیکٹریوں سے گزرا ان فیکٹریوں کا گندا پانی ان میں شامل ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آگے بڑھتے بڑھتے بجائے حیات بخش ہونے کے وہ موت بخش ہو گیا۔

عزیزانِ گرامی!

اسی طریقے سے اسلام جب آیا ہے تو کچھ اور تھا لیکن بعد میں اُموی سیاست شامل ہوئی۔ عباسی سیاست شامل ہوئی، ترک و تاتاریوں کی سیاست شامل ہوئی، بادشاہوں کی سیاست شامل ہوئی، مولویوں کی کٹھ ملائیت شامل ہوئی۔

(نعرۂ حیدری)

توجہ ہے!

مذہب فروشوں کی روایت ساز فیکٹریوں کی روایات شامل ہوئی، غلط نظریات کے لوگوں نے اپنے نظریات شامل کیے، جس طریقے سے دریاؤں میں ہر چیز بہادی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دریا کے اندر آلودگی حد سے زیادہ ہوجاتی ہے اور وہ خطرناک ہوجاتا ہے۔ اسی طریقے سے آج جو اسلام کی حالت ہے یہ انھی نظریات کی دین ہے جو شامل ہوگئے۔ یہ اصل اسلام نہیں ہے۔

عزیزانِ گرامی!

ایک طبقہ ایسا پیدا ہوگیا ہے جو اپنے کو مسلمان کہتا ہے لیکن درحقیقت وہ مسلمان نہیں ہے اس لیے کہ اپنے کو مسلمان کہنے سے بندہ مسلمان نہیں بن جاتا۔ مسلمان بننے کے لیے کردار کی ضرورت ہے۔ یہ لوگ قرآن کی غلط تشریح کرتے ہیں اور نوجوانوں کو بہکاتے ہیں کہ دیکھو قرآن پڑھو۔ اس میں یہ لکھا ہے، پورا مفہوم سمجھاتے نہیں ہیں۔ تصویر کو مفہوم سے الگ کرکے دکھاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نوجوان لڑکے اس سے متاثر ہوتے ہیں۔

یہ طالبان، یہ داعش اور جہادی تنظیمیں جو مسلمانوں میں، یہ انھی کٹھ ملّاؤں کی گمراہ کن تقریروں کا نتیجہ ہے۔ یہ لوگ مذہب کو نہیں سمجھے۔ یہ لوگ حالات سے متاثر نہیں ہوئے۔ انھوں نے قرآن کو صرف اپنے مطلب میں سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ قرآن میں کسی پر جبر نہیں ہے۔ قرآن میں کافروں کو مار ڈالنے کی بات نہیں ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝١ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝٢

”اے رسولؐ! کہہ دیجیے اے کافرو! ہم اس کی عبادت نہیں کرتے جس کی تم کرتے ہو“۔

وَلَآ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَآ اَعۡبُدُ ۝

''اور تم اس کی عبادت نہیں کرتے جس کی ہم کرتے ہیں''۔

وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ ۝

''اور ہم اس کی عبادت نہیں کرتے جس کی تم کرتے ہو''۔

وَلَآ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَآ اَعۡبُدُ ۝

''اور تم اس کی عبادت نہیں کرتے جس کی ہم کرتے ہیں''۔

ایک بات کو دو دفعہ repeat کیا گیا۔ پہلے کافروں کو مخاطب کیا گیا اس کے بعد سمجھانے کے لیے ایک ہی بات دو دفعہ کہی۔

''جس کی ہم عبادت کرتے ہیں اس کی تم نہیں کرتے اور جس کی تم کرتے ہو اس کی ہم نہیں کرتے''۔

اب اس کے بعد فیصلہ سنایا گیا۔

پھر ہوا کیا اس کے بعد؟

جب یہ معاملہ ہے تو پھر کیا ہو؟

لڑائی ہو، جھگڑا ہو، قتل ہو، خون ہو، ایک دوسرے کا گلا کاٹیں، کیا کریں؟

تو قرآن اپنا فیصلہ سناتا ہے:

لَكُمۡ دِيۡنُكُمۡ وَلِىَ دِيۡنِ (سورۂ کافرون: آیت ۶)

''تم اپنے دین پر، ہم اپنے دین پر''۔

نہ ہم تم سے بولیں، نہ تم ہم سے بولو، نہ ہم تم کو ستائیں نہ تم ہم کو ستاؤ، نہ ہم تمہیں قتل کریں نہ تم ہمیں قتل کرو۔

اب وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ قرآن میں آیت ہے کہ مشرکوں کو قتل کر دو تو اس کا

مفہوم کیا ہے؟

آپ نے مفہوم سمجھائے بغیر لڑکوں کو خراب کر دیا۔ یہ سب مشرکوں کے لیے نہیں ہے، یہ اُن کے لیے ہے، جو مسلمانوں پر ظلم کرتے تھے جو قتل کرتے تھے، جو عرب کی تپتی ہوئی، مکہ کی پچپن ڈگری سینٹی گریڈ گرم چٹان، جو دھوپ میں لال ہو رہی ہے، اس کے اُوپر لٹا کر انسانوں کو نیزوں سے مارتے تھے اور قتل کر دیتے تھے۔ ایسے قاتلوں اور ظالموں کے لیے کہ جو یہ سب کام کیا کرتے تھے انسانوں کے ساتھ، ہاتھ کاٹ دیتے تھے، پیر کاٹ دیتے تھے، گلا کاٹ دیتے تھے اِن لوگوں کے بارے میں یہ کہا گیا کہ یہ طبقہ جہاں ملے اس کے بعد لڑنے بھی آتے تھے تو ان کے لیے کہ ان کو قتل کر دو۔

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں اگر کوئی طالبان active ممبر، کوئی لشکرِ طیبہ کا active ممبر آپ کے یہاں آجائے اور آپ اس کو پکڑ لیں تو کیا آپ اس کی عزت کریں گے؟ یا اس کو کہیں گے کہ "میاں تم نے خوب لوگوں کو مارا ہے، شاباش! کیا ہم اس کی تعریف کرنے لگیں گے؟"۔

ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کی سزا تو موت ہی ہے تو اسلام نے بھی یہی سزا تجویز کی ہے، کوئی غلط تو نہیں کیا، لیکن یہ طبقہ جو ہر ایک کو کافر قرار دیتا ہے ابھی تو ان کے ہاتھ میں اقتدار نہیں ہے لیکن جہاں جہاں ہے، وہاں وہاں انھوں نے بے پناہ خون کے دریا بہائے ہیں اور سارے قتل اسلام کے نام پر ہوئے ہیں، سارے خون اسلام کے نام پر بہائے گئے ہیں، سارے ظلم اسلام کے نام پر ہوئے ہیں۔

عزیزانِ گرامی!

اسلام کے نام کو ہٹا کر کچھ نہیں ہوا ہے، سب کچھ اسلام کے نام پر ہوا ہے۔ تو

کس کس کو قتل کیجیے گا؟

بھئی ـــــ!

ان کے نظریے کے مطابق سارے یہودی کافر ہیں۔ مار ڈالو سب کو، سارے عیسائی کافر ہیں، مار ڈالو سب کو، سارے ہندو کافر ہیں، مار ڈالو سب کو۔ سب پارسی کافر ہیں مار ڈالو سب کو ـــــ اب جب سب مر گئے تو دُنیا میں بچے گا کون؟

مسلمان؟

تو مسلمانوں کی بھی خیر نہیں ہے۔ خالی ہندو ہی کافر نہیں ہیں، خالی عیسائی کافر نہیں ہیں، خالی یہودی کافر نہیں ہیں۔

ارے بھئی!

شیعہ بھی کافر ہیں ـــــ (معاذ اللہ)

عزیزانِ گرامی!

کفر کی ایک یہ بھی قسم معلوم ہوئی کہ جو ماتمِ حسینؑ کرے وہ کافر ہے، جو عزاداری کرے وہ کافر ہے، جو اہلِ بیتؑ سے محبت رکھے وہ کافر ہے، ان کو بھی ختم کیجیے۔

اب تو نہیں بچا کوئی؟

انھوں نے کہا: نہیں! ابھی بھی کافر چھپے ہوئے ہیں۔

بھئی!

کہاں چھپے ہوئے ہیں؟

کہا: یہ جو خانقاہوں میں جاتے ہیں، یہ جو قبروں پہ جاتے ہیں، یہ جو یارسول اللہ کہتے ہیں، یہ جو نذر و نیاز دلاتے ہیں، یہ بھی تو کافر ہیں۔ یہ مسلمان کہاں سے ہوئے؟

لیجیے یہ بھی کافر ہو گئے، ان کو بھی ختم کیا جائے۔ اب بس تھوڑے سے اللہ کے پیارے بندے بچ گئے تاکہ دُنیا کی آبادی کم ہو جائے۔

یہ ہے شدت پسندوں کا نظریہ!

میرے دوستو!

آپ اپنے ساتھیوں کو سمجھایئے کہ اسلام کی تعلیم میں سب کچھ موجود ہے، ایسا نہیں ہے کہ اسلام خون بہانے والا مذہب ہے یا اسلام کسی کی جان لینے والا مذہب ہے۔ یہ سچ ہے کہ رسولؐ اللہ کی زندگی میں ایسا گروہ موجود تھا جو خون بہانے میں دلچسپی رکھتا تھا۔

دیکھیے!

عرب کی تاریخ یہ ہے کہ اسلام آنے سے پہلے بہت چھوٹی چھوٹی سی باتوں پر بڑے بڑے جھگڑے ہوا کرتے تھے۔ بڑی بڑی لڑائیاں ہوتی تھیں، یعنی یہ لوگ تیس تیس، چالیس چالیس برس لڑتے تھے۔

عرب میں ایک لڑائی ہوئی جس کا نام ہے "جنگِ اوس وخزرج"۔ اس جنگ کا معاملہ یہ تھا کہ ایک قبیلے کے سردار کا ایک باپ تھا۔ اس کا باپ ایک دن اپنے باغ میں گھومنے کے لیے گیا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ ایک درخت کے اُوپر ایک فاختہ نے گھونسلا بنایا ہے اور اس میں اس نے انڈے دیے ہیں، فاختہ ان انڈوں پر بیٹھی تھی۔

اس نے دیکھا اور کہنے لگا: اچھا! تو نے یہاں انڈے دیے ہیں۔

اچھا! تو ہماری مہمان ہے۔

یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلے گئے لیکن وہاں ایک دوسرے سردار کا اُونٹ چر رہا تھا اس باغ میں۔ اس اُونٹ نے درخت کو جو منہ مارا تو اس فاختہ کا گھونسلا نیچے گر گیا

اور اُونٹ کے پاؤں کے نیچے آ کر وہ انڈے ٹوٹ گئے۔ اب چونکہ پہلے سردار نے اس فاختہ کو مہمان کیا تھا جن کا باغ تھا لہٰذا یہ دوسرے دن اس کی خیریت دریافت کرنے کے لیے گئے، وہاں دیکھا تو گھونسلا گرا پڑا ہے، انڈے ٹوٹے پڑے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ سردار غصے میں آگ بگولا ہو گئے۔

کہنے لگے: یہ کس نے حرکت کی ہمارے مہمان کے ساتھ؟

تو تحقیق سے پتہ چلا کہ فلاں قبیلے کا اُونٹ آیا تھا، اس نے منہ مارا تو یہ سارا کچھ ہو گیا۔ اس نے نتیجے میں اس قبیلے کے سردار کے لڑکے کو مار دیا۔ انھوں نے ان کے لڑکے کو مار دیا۔ اس چھوٹی سی بات پر دونوں قبیلے چالیس برس لڑے۔

عزیزانِ گرامی!

یہ لڑنے والی قوم تھی جس کو اسلام نے آ کر متحد کیا تھا مگر مزاج سے وہ خون بہانے کی عادت شاید گئی نہیں۔ چنانچہ جب پہلی لڑائی مسلمانوں نے فتح کی ہے جس کا نام "جنگِ بدر" ہے۔

سنیئے ذرا!

اس کو ذہن میں رکھیے گا اچھے طریقے سے!

دیکھیے!

لڑائی تو بیان ہوتی ہے لیکن وہ ٹکڑا بیان نہیں ہوتا جو میں سنا رہا ہوں۔

اسلام نے انسانی جان کی جتنی حفاظت کی ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ میرا موضوع یہ ہے جو اِن تنظیموں کی وجہ سے بے جا اسلام بدنام ہو رہا ہے۔

جب جنگِ بدر میں مسلمانوں نے فتح کر لی تو کچھ لوگ اُن میں سے گرفتار ہوئے۔ تاریخ لکھتی ہے: ستر (۷۰) آدمی گرفتار ہوئے۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے

رسول اللہ کو پتھر مارے تھے، جنھوں نے رسولؐ کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے۔ وہ لوگ جنھوں نے رسول اللہ کو ایذائیں دی تھیں۔ وہ لوگ جنھوں نے ہر طریقے سے مسلمانوں کو ستایا تھا اور مارا تھا اور پریشان کیا تھا۔ ان کی وجہ سے حضورؐ نے اپنا وطن چھوڑا تھا، جنھوں نے وحی کا مذاق اُڑایا تھا، وہ ستر (۷۰) قیدی گرفتار ہوئے اور جب گرفتار ہو کر آئے تو کچھ حضرات نے یہ مشورہ دیا کہ ان کی گردنیں اُڑا دی جائیں۔ یہ کافر ہیں، یہ دشمنانِ اسلام ہیں، انھوں نے تکلیفیں دی ہیں، انھوں نے آپ کو جھٹلایا ہے۔ آج یہ ہمارے قابو میں آئے ہیں تو ان کو زندہ رہنے کا حق نہیں ہے۔ اِن کی گردنیں اُڑا دی جائیں لیکن رسول اللہ نے اس فیصلے کو ماننے سے انکار کیا۔

رسول اللہ نے فرمایا: میں ان کی گردنیں نہیں اُڑاؤں گا۔

آپؐ نے پہلے ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ارشاد فرمایا: جو لوگ اتنی رقم دے سکتے ہیں وہ فدیہ کے طور پر دے دیں اور اپنے گھر واپس جائیں۔ مسلمانوں کی مالی حالت خراب تھی۔ ان کو پیسے کی ضرورت تھی۔ اگر اس طریقے سے کچھ پیسہ مل رہا ہے تو اس کو لے لیا جائے۔ جن کے پاس پیسے نہیں ہیں اور نہیں دے سکتے اُن کو بھی دو حصوں میں بانٹا۔

کہا: ان میں جو پڑھے لکھے ہیں وہ سال بھر تک مسلمانوں کے بچوں کو پڑھائیں اور جو پڑھے لکھے بھی نہیں ہیں اور پیسہ بھی نہیں دے سکتے ہیں وہ سال بھر تک مسلمانوں کی خدمت کریں۔ ایک سال جب پورا ہو جائے تو وہ لوگ بھی اپنے اپنے گھر چلے جائیں۔ مارا کوئی نہیں جائے گا اور جو لوگ پڑھائیں گے یا خدمت کریں گے اُن کے کھانے پینے کی ذمہ داری ان پہ ہو گی جو اُن کو رکھیں گے۔

اس طریقے سے کہہ کر رسول اللہ نے ان ستر آدمیوں کی جان بچائی۔

اب آپ بتایئے کہ اسلام اگر خون بہانے والا دین ہوتا تو یہ ستّر آدمی مار ڈالے جاتے یا بچائے جاتے؟ دوسرا موقع جہاں پر ہم یہ منظر دیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ جب سرورِ کائناتؐ مکہ میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تو مکہ میں وہ مرد بھی موجود تھا جو زندگی بھر لشکر لاتا رہا رسولؐ کے خلاف اور وہ عورت بھی موجود تھی جس نے آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبایا تھا— دونوں موجود تھے۔ دُنیا کا دستور یہ ہے کہ جب کوئی فاتح کسی شہر میں داخل ہوتا ہے تو اس شہر والے سفید پرچم لہرا کر اس سے امن کی بھیک مانگتے ہیں اور فاتح کی تلوار رُکتی نہیں ہے۔ گلے کاٹتی رہتی ہے لیکن ہمارا رسولؐ وہ اکیلا فاتح تھا جو مکہ میں خود سفید پرچم لے کر داخل ہوا تھا کہ میں امن کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ کوئی گلے کاٹنے نہیں آیا۔ آپ نے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے اعلان کر دیا: جو اپنے گھر کے اندر بیٹھا رہے اس سے کوئی نہیں لڑے گا۔ جو بغیر اسلحے کے گھر سے نکلے خالی ہاتھ اس سے کوئی نہیں بولے گا۔ جو ابوسفیان کے گھر چلا جائے اس سے کوئی نہیں بولے گا۔

دشمن کی عزت افزائی ہو رہی ہے۔ اسلام گلے کاٹنے کا مذہب نہیں ہے، انسانیت کو بچانے کا مذہب ہے۔ انسان کو زندہ رکھنے کا مذہب ہے۔ آج اسلام کا جو رنگ نظر آ رہا ہے اسلام جن سیاستوں کا شکار ہے، اسلام جن مصلحتوں کا شکار ہے۔

یہ پانی جو گنگا کا ہے اس پانی کی صفائی مہم چل رہی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہندوستان سرکار اس گنگا کی صفائی کی مہم چلا رہی ہے کہ ہندوستان کی شہ رگ جو دریا ہے وہ میلا نہ رہے تو حکومت ہندوستان کو تو اس کا احساس ہے کہ ہمارے ملک کی شہ رگ جو دریا ہے گنگا وہ میلا نہ رہے لیکن کائنات کے تمام مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے؟ ان کو اس کا احساس نہیں ہے کہ اسلام میں صفائی کی مہم چلائیں۔

اب آیئے آپ ہم سے پوچھئے کہ آپ پڑھ تو رہے ہیں یہ سب مگر آپ نے آج تک کیا کیا۔ آپ کے پاس بھی تو وہی پانی ہے جو بنارس وغیرہ میں ملتا ہے؟

ہم معذرت سے کہیں گے بھیا! ہمارے پاس وہ پانی نہیں ہے اس لیے کہ جہاں سے چشمے پھوٹ رہے ہیں اگر وہاں سے ایک پائپ لائن لگا دی جائے اور جتنا دُور لے جا سکتے ہیں لے جایئے اس کو پانی وہی ملے گا جو اوریجنل ہے، جو خالص ہے، جو صاف پانی ہے۔

عزیزانِ گرامی!

اسی لیے ہم امامت میں عصمت کے قائل ہیں کہ عصمت کی پائپ لائن میں جو اسلام چلے گا جتنے برس کے بعد بھی دیکھیے وہی خالص مال ملے گا اس لیے کہ زمانے کے اثرات اس پر اثر انداز نہیں ہوئے۔ ہم نے تو اپنے لیے انتظام کر لیا۔ اب دُنیا سوچے کہ اسلام میں جو نظریات شامل ہو گئے، جو روایات شامل ہو گئیں، جو احادیث شامل ہو گئیں، وہ سب کس نے شامل کیں؟ اور اس کا ذمہ دار کون تھا؟

لاکھوں کی تعداد میں احادیث گڑھی گئیں، سینکڑوں نظریات شامل کیے گئے، مختلف بادشاہوں کے اَدوار میں مختلف نظریات نے جنم لیا۔ پورا اسلام filter کیجیے اس کے اندر سے وہ چیزیں نکالیے جو لوگوں کے دماغ کے خیالات اور تصوراتِ اسلام میں داخل ہوئے ہیں ورنہ خود ہوسِ حکومت اور تمنائے اقتدار وہ شے تھی جو اسلام کو لے کر ڈوبتی رہی۔

عزیزو!

اب اگر دُنیا کے سامنے کربلا کا واقعہ پیش نہ کیا جائے گا تو کب پیش کیا جائے گا؟ آپ لوگوں کو بلایئے اور دعوت دیجیے اور کہیے کہ امام حسین علیہ السلام کے واقعہ پر غور

کرو اور سوچو کہ یہ کیا مسئلہ ہے؟

پچاس برس کا وقفہ کوئی بہت لمبا وقفہ نہیں ہے۔ رسولؐ کو دُنیا سے گئے پورے پچاس برس مکمل نہیں ہو پائے تھے، دو مہینے باقی تھے۔ ہندوستانی کیلنڈر چھوٹا ہوتا ہے، انگریزی کیلنڈر سے۔ ہندوستانی کیلنڈر کے حساب سے بھی انچاس سال اور آٹھ یا دس مہینے ہوئے رسولؐ کی رحلت کو۔ جب ساری اُمت حسینؑ کے خلاف جمع ہو گئی۔ یہ یہودی نہیں تھے، یہ عیسائی نہیں تھے، یہ بت پرست نہیں تھے۔ یہ تو نعرۂ تکبیر بلند کر رہے تھے۔ یہ اپنے کو رسولؐ کی اُمت کہہ رہے تھے لیکن چند پیسوں کے لالچ میں، دُنیا کے لالچ میں۔ اقتدار کے لالچ میں۔ نبیؐ کے نواسے کا خون بہانے کے لیے تیار ہو گئے۔

آج ملت کو پھر حسینؑ کی ضرورت ہے، اس لیے کہ جب امام حسین علیہ السلام گھر سے نکلے تو یہ اعلان کر کے نکلے تھے:

اِنِّیْ لَمْ اَخْرُجْ اَشِرًا وَّلَا بَطَرًا وَّلَا مُفْسِدًا وَّلَا ظَالِمًا وَ اِنَّمَا خَرَجْتُ بِطَلَبِ الْاِصْلَاحِ فِیْ اُمَّةِ جَدِّیْ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ اُرِیْدُ اَنْ اٰمُرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَنْهٰی عَنِ الْمُنْكَرِ وَاَسِیْرَ بِسِیْرَةِ جَدِّیْ وَاَبِیْ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ

"میں کسی قسم کا فساد پھیلانے یا غرور و تکبر کا اظہار کرنے یا سلطنت حاصل کرنے یا ظلم و ستم کرنے کے لیے نہیں نکل رہا بلکہ اپنے نانا رسولِ خدا کی اُمت کی اصلاح کی خاطر نکل رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ نیکی کا حکم دوں اور برائی سے روکوں اور اپنے نانا رسولِ خدا اور اپنے بابا علیؑ ابن ابی طالبؑ کی سیرت پر چلوں"۔

توجہ ہے ——!

آپؑ کا یہی مقصد تھا کہ میں حکومت کے لالچ میں نہیں جا رہا ہوں، میں اقتدار کی طلب میں نہیں جا رہا ہوں، میں کسی کو نقصان پہنچانے کی نیت سے نہیں جا رہا ہوں، میں کسی ذاتی فائدے کے لیے نہیں جا رہا ہوں بلکہ میں اس لیے جا رہا ہوں کہ میرے نانا کی اُمت میں فساد پیدا ہو گیا ہے، میں اس کی اصلاح کی خاطر جا رہا ہوں۔

عزیزانِ گرامی!

امام حسین علیہ السلام نے کربلا میں جان دے کر اپنے نانا کی اُمت کی اصلاح کی۔ آپ کہیں گے کہ اصلاح کر دی تو آج یہ سب کیا ہے؟

دیکھیے!

اللہ کی پالیسی یہ ہوتی ہے کہ ہم حجت تمام کرتے ہیں، ماننا یا نہ ماننا دُنیا کا کام ہے۔ ہم نے راستہ دکھا دیا جس کا دل چاہے سیدھے راستے پر چلے، جس کا چاہے غلط راستے پر چلے۔

قرآن میں ارشاد ہوا:

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ﴿٣﴾

"ہم نے راستہ بتا دیا اب یا تو شکر کرنے والے ہو جاؤ یا کفر کرنے والے"۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿١٧﴾

"ہم پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ ہمارا کام فقط پہنچا دینا ہے"۔

حسینؑ ابن علیؑ نے اپنی شہادت پیش کر کے اسلام کے سمندر میں ایک light house بنا دیا۔

دیکھیے!

جو لوگ جانتے ہیں وہ جانتے ہیں جو نہیں جانتے وہ سن لیں۔

سمندر کے بعض ساحلوں پر light house ہوتے ہیں، نیچے پہاڑیاں ہوتی ہیں اور اُوپر پانی ہوتا ہے تو ڈر یہ ہوتا ہے کہ جہاز سمندر سمجھ کے آجائے گا ادھر اور جب پہاڑی سے ٹکرائے گا تو ٹوٹ جائے گا۔ لوگ مرجائیں گے، لہٰذا سمندر کے بالکل کنارے light house بنایا جاتا ہے جس پر روشنی چلتی رہتی ہے، جو اشارہ دیتی ہے کہ ادھر نہ آنا یہاں خطرہ ہے۔ اس کی روشنی گھومتی رہتی ہے اس کی حدود میں نہیں آنا چاہیے۔ اس لیے کہ نیچے پہاڑیاں ہیں۔ جہاز چلتا ہوا آئے پہاڑی سے ٹکرائے گا تو ٹوٹ جائے گا اور ڈوب جائے گا۔

اب سمجھے آپ!

تو امام حسین علیہ السلام کا کام جہازوں کو ساحل تک لے کر آنا نہیں ہے۔ انھوں نے تو light house بنا دیا ہے کہ اب وہ دیکھنے میں اسلام ہے اندر کفر، پہاڑیاں ہیں، تمھارے دین کی کشتی جو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گی اور تم ضلالت میں غرق ہوجاؤ گے۔

خدا کی قسم! امام حسین علیہ السلام اپنے خون سے ایسا چراغ جلا کے گئے جو چودہ سو برس سے آج تک روشن ہے۔ (لبیک یا حسینؑ)

عزیزانِ گرامی!

آپ دنیا والوں کو سمجھائیے اور خاص طور سے اپنے ملک میں جو آج کل پھر فرقہ پرستی کی وبا سے گونج رہا ہے۔ لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کیجیے کہ اسلام وہ نہیں ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ آپ نے اسلام بادشاہوں سے سمجھا ہے۔ آپ نے اسلام

بابر سے سمجھا ہے۔ آپ نے اسلام محمود غزنوی سے سمجھا ہے۔ آپ نے اسلام جہانگیر اور شاہ جہاں سے سمجھا ہے اور آپ نے اسلام عالمگیر سے سمجھا ہے۔ یہ اسلام نہیں ہے۔ پہلے والوں نے اسلام بنی اُمیہ سے سمجھا، بنی عباس سے سمجھا— یہ اسلام نہیں ہے۔ اسلام سمجھنا ہے تو رسولؐ اللہ سے سمجھو، اسلام سمجھنا ہے تو مولا علیؑ سے سمجھو، اسلام سمجھنا ہے تو امام حسینؑ سے سمجھو— یہ اسلام ہے۔ وہ اسلام نہیں ہے، وہ بادشاہت ہے۔ اس میں اسلام جو ہے وہ ایک سیاسی طور پر استعمال ہو رہا ہے، وہ اسلام اسلام نہیں ہے جس سے دین کا تعلق ہو۔

عزیزانِ گرامی!

مسلمان دو طرح کے ہیں اور یہ دو طرح کے مسلمان صاف کربلا میں دکھائی دیں گے۔

ایک وہ ہیں جو حکومت کے لیے نواسۂ رسولؐ کا خون بہا رہے ہیں اور ایک وہ ہیں جو حق و صداقت کو بچانے کے لیے اپنی جان دے رہے ہیں۔

آج چودہ سو برس ہو گئے ان کی یاد منائی جاتی ہے جنھوں نے حق و صداقت کے لیے اپنی جان دی۔

ذکرِ مصائب (تذکرہ جنابِ حرؑ)

محرم کی چوتھی رات آ گئی، ہم اپنے امامؑ کا ماتم تین راتوں سے کر رہے ہیں، آج چوتھی رات ہے خاص طور سے آج امام حسینؑ کے اس ناصر کا ذکر ہوتا ہے جو پہلے تو لشکرِ یزید میں تھا مگر پھر اس نے سویرے اُٹھ کر فیصلہ جو سنایا وہ صبحِ قیامت کے لیے آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی تھا۔

ایک شخص ہے جس کا نام مہاجر ابن اوس ہے۔ وہ روایت کرتا ہے کہ میں صبح عاشور جب حُرؒ کے خیمے کے پاس آیا اور حُرؒ کو دیکھا تو میں نے دیکھا کہ حُرؒ کانپ رہا ہے۔

میں نے اس سے کہا: اے حُرؒ! کیسی طبیعت ہے؟

انھوں نے کہا: ٹھیک ہوں۔

کہا: اے حُرؒ! یہ میں تمھاری کیا کیفیت دیکھ رہا ہوں۔ اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ اس یزید کے لشکر میں سب سے بہادر آدمی کون ہے تو میری نظر میں تمھارے سوا کوئی دوسرا ہے نہیں۔ میں نے مختلف لڑائی کے مواقع پر تم کو دیکھا ہے۔ یہ پہلا موقع نہیں ہے، لڑائی والے دن تو تم شیروں کے شیر لگتے ہو آج تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم کانپ رہے ہو۔ کیا بنی ہاشم کی تلوار کا ڈر بیٹھ گیا دل میں، کیا ہو گیا؟

حُرؒ نے جھڑک دیا۔

کہا: کیا کہتے ہو، ارے! میں تو اپنے کو دوزخ اور جنّت کے درمیان پا رہا ہوں۔

وہ تو چلا گیا اُدھر مہاجر ابن اوس، اِدھر حُرؒ نے اپنے بیٹے کو دیکھا۔

کہا: بیٹا! کیا سوچ رہے ہو؟

بیٹے نے جواب دیا: بابا! وہی سوچ رہا ہوں جو آپ سوچ رہے ہیں۔

حُرؒ نے کہا: پھر چلو۔

دونوں خیمے سے نکلے، گھوڑے پر بیٹھے، گھوڑا اُڑایا۔ خدمتِ امامؑ میں آئے، سر کو پیروں پہ رکھ دیا ـــــ هَلْ لِیْ تَوْبَةٌ

مولاؑ! کیا میرے لیے توبہ ہے؟

رحمۃ للعالمینؐ کے لال نے حرؑ کو سینے سے لگا لیا۔

لیجیے!

توبہ قبول ہوئی۔ بیٹے کو مرنے کے لیے بھیج دیا۔ جب بیٹا زخمی ہو کر گرا تو باپ لاش اُٹھانے کے لیے پہنچا لیکن دیکھا کہ امامؑ پہلے سے موجود ہیں۔

حرؑ نے کہا: مولا! آپ آ گئے؟

فرمایا: تو ہمارا مہمان ہے، ہم نہ آتے تو اور کون آتا؟

عزادارو!

حرؑ کے بیٹے نے آنکھیں بند کیں۔ حرؑ نے قبا کے دامن سمیٹے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے حرؑ! کیا ارادہ ہے؟

کہا: میت اُٹھاؤں گا۔

فرمایا: ہم کا ہے کے لیے آئے ہیں۔ ارے! کبھی باپ بھی بیٹے کا لاشہ اُٹھاتا ہے؟

عزادارو!

حرؑ کے جوان کا لاشہ اُٹھا کر حسینؑ لائے۔

اے حرؑ! شرطِ وفا یہ ہے کہ عصرِ عاشور آ کر کہتا کہ مولا! کبھی باپ بھی بیٹے کا لاشہ اُٹھاتا ہے؟

عزیزو!

میں نے کتابوں میں بہت پڑھا، آخر مجھے وہ تصویر مل گئی جس طرح امام حسینؑ نے بیٹے کا لاشہ اُٹھایا۔ ایک لاش اُٹھانے کے لیے کم از کم تین آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ایک سرہانے سے سنبھالتا ہے، ایک پائنتی سے سنبھالتا

ہے اور ایک کمر کو اس سے سہارا دیتا ہے لیکن امام حسینؑ اکیلے تھے، علی اکبرؑ جوان تھے۔

روایت میں ہے کہ جب علی اکبرؑ دُنیا سے چلے گئے تو امام حسینؑ نے جھک کر علی اکبرؑ کے سینے سے سینہ ملا دیا۔ اب جب کھڑے ہوئے تو لاشے کو لیے ہوئے علی اکبر کا سر کندھے پہ تھا۔ خون سے بھرا سینہ امام حسینؑ کے سینے سے ملا تھا۔ زینب کبریٰؑ نکل آئیں۔

وَا عَلِیَ اَکبرَاہ!

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ○

مجلسِ پنجم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ارشادِ رب العزت ہے:

وَالۡعَصۡرِ ۙ﴿۱﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ۙ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۬ۙ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ﴿۳﴾

''عصر کی قسم! تمام انسان گھاٹے میں ہیں سوائے ان کے جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے اور وہ لوگ جو ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے ہیں اور وہ جو ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرتے ہیں''۔ (سورۂ عصر)

عزیزانِ گرامی!

سلسلۂ کلام ذہن عالی میں ہوگا۔

ہمارے اور آپ کے درمیان گفتگو انسانیت کے موضوع پر ہے۔ انسانیت وہ چیز ہے جو سارے انسانوں میں اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمائی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی اس کو اپنا کر انسان بن جائے یا کوئی اس کو چھوڑ کر درندہ بن جائے یا کوئی اس کو چھوڑ کر درخت بن جائے یا کوئی پتھر بن جائے۔ یہ اپنی اپنی صلاحیت کی بات ہے، لیکن انسان کو جو دولت دی گئی ہے وہ بڑی common ہے اور اختلافات جھگڑا کرنے کے لیے ہم نے ڈھونڈے ہیں ورنہ انسان کے اندر کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ہر انسان کا دل دھڑکتا ہے۔ ہر انسان کی رگوں میں خون جنبش کرتا ہے۔ ہر انسان کا دماغ اس کو اچھے برے کی تمیز بتاتا ہے۔ ہر انسان کے قدم اس کو لے کر چلتے ہیں۔ ہر انسان کے ہاتھ اس کا کام کرتے ہیں۔ ہر انسان کی آنکھیں دیکھتی ہیں، ہر انسان کے کان سنتے ہیں، ہر انسان کے واسطے زمین کا دسترخوان بچھا ہے جو کچھ پیدا ہوتا ہے سبھی کھاتے ہیں۔ اس میں سے، ہر انسان کے واسطے بارشِ کرم آتی ہے۔ جب پانی برستا ہے تو ہر ایک کے کھیت پہ برستا ہے، جب سورج نکلتا ہے تو خالی امیروں کے محلوں میں روشنی نہیں جاتی بلکہ غریبوں کی جھونپڑیوں میں بھی روشنی چلی جاتی ہے۔ جب چاند چمکتا ہے تو اس کی چاندنی سے سبھی فیض یاب ہوتے ہیں۔ جب دریا بہتا ہے تو ہر ایک اس سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ نے جو نعمتیں دی ہیں وہ بھی انسان کے لیے اور جو طاقتیں دی ہیں وہ بھی انسان کو دی ہیں۔ اب جب کسی کو رحمت بنا کر بھیجا ہے تو اس کو حصوں میں بانٹنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ بھی سارے انسانوں کے لیے ہے۔ اسی لیے جب اس نے بڑتے رسول کو بھیجا تو یہ نہیں کہا کہ ہم نے آپ کو عربوں کے لیے بھیجا۔ آپ ان کی اصلاح کیجیے۔ یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے آپ کو مکہ والوں کے لیے بھیجا۔ آپ ان کی اصلاح کیجیے۔ یہ نہیں کہا کہ ایک قوم پیدا ہوگی مسلمان، آپ اس کے رسول ہیں، آپ اس کی اصلاح کیجیے، آپ قرآن پڑھیے۔

قرآن کیا کہہ رہا ہے؟

دیکھیے!

ہم آپ جو بھی کہیں، یہ ہمارا تمھارا خود ہم نے بنایا ہے، یہ ہمارے ہیں وہ تمھارے ہیں، یہ ہماری پارٹی وہ تمھاری پارٹی، یہ ہمارے رہبر وہ تمھارے رہبر۔

اللہ رب العالمین ہے۔ تمام عالموں کا رب۔ اس کے اندر یہ دنیا بھی ہے اور دوسری دنیا بھی ہے۔ جو اگر دریافت ہو جائے تو وہ بھی عالمین سے باہر متصور نہیں ہو گی۔

سمجھے آپ!

اللہ رب العالمین ہے اور محمدؐ رحمۃ للعالمین اور قرآن ذکر للعالمین۔

اللہ کے لیے ارشاد ہوا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ①

"تمام حمد ہے اس اللہ کے لیے جو تمام عالمین کا رب ہے"۔

رسولؐ کے لیے ارشاد ہوا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ (سورۂ انبیاء: ۱۰۷)

"آپ کو ہم نے نہیں بھیجا مگر تمام عالمین کے لیے رحمت بنا کر"۔

قرآن کے لیے ارشاد ہوا:

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝

"یہ (قرآن) نہیں ہے مگر تمام عالمین کے لیے نصیحت"۔

توجہ ہے!

تو اللہ نے اپنے حبیبؐ کو تمام انسانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے، صرف مسلمانوں کے لیے نہیں۔ تمام انسانوں کے لیے رحمت بنا کے بھیجا ہے۔

کل میں نے جو مجلس پڑھی ہے اس میں کہا تھا کہ یہ مجلس مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ ان لوگوں کے لیے ہے جو اسلام سے واقف نہیں ہیں۔ اُن کے لیے پڑھ رہا ہوں اور آج میں اُن کے لیے پڑھ رہا ہوں جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہتے ہیں، جو اقرار کرتے ہیں میں ان کے لیے مجلس پڑھ رہا ہوں۔

عزیزانِ گرامی!

اس وقت ملتِ مسلمہ کا یہ حال ہے۔

دیکھیے!

برا نہ مانیے گا، اگر کوئی آپ کو آئینہ دکھائے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ آپ کا دشمن ہے، کسی کے ماتھے پہ کالک لگی ہے، ہم نے آئینہ دکھایا کہ آئینہ دیکھ لو تو آپ برا نہ مانیے کہ تم نے ہمیں آئینہ دکھایا ہے۔

نہیں! ہم نے تو اس لیے آئینہ دکھایا ہے کہ اپنے ماتھے پہ لگی کالک کو دھو ڈالیے۔ بری لگ رہی ہے۔۔۔ (نعرۂ حیدری)

توجہ یے!

ملتِ مسلمہ کا عالم یہ ہے کہ قرآن اس کے پاس کھلا رکھا ہے جس میں سب کچھ ہے:

لَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ۝ (سورۂ انعام:۵۹)

''کوئی خشک وتر ایسا نہیں ہے جو کتابِ مبین میں نہ ہو''۔

اس کو آپ یوں سمجھ لیجیے کہ ہم ایک ڈاکٹر کے ہاں بیٹھے ہیں۔ بہت بڑا ڈاکٹر ہے بمبئی کا۔ ہمارا دوست ہے۔ ہم اس کے ہاں بیٹھے ہیں، خالی بیٹھے ہیں، وقت گزار رہے ہیں، وہ مریض دیکھ رہا ہے۔ ایک مریض آیا۔ اس نے کہا کہ دیکھو یہ ہے، وہ ہے، شوگر تمھارے لیے نقصان دہ ہے، فلاں چیز تمھارے لیے نقصان دہ ہے، جس میں چکنائی ہو وہ تمھارے لیے نقصان دہ ہے، یہ نہ کھانا، وہ نہ کھانا، تمام احتیاطی تدابیر اس نے اس کو بتا دیں۔ ڈاکٹر نے جب اس کا نام پوچھا تو وہ ہندو تھا۔ ڈاکٹر نے نسخہ لکھ دیا اور وہ مریض نسخہ اور دوا لے کر گھر چلا گیا۔ ہم نے سوچا کہ ہم سے کیا مطلب یہ تو ہندو

کے لیے ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا ہے، ہم سے کیا تعلق اس کا؟ ہم مسلمان ہیں، دوسرا مریض آیا اس کو دل کا مسئلہ تھا۔ ڈاکٹر نے اس کو دل کی بیماریوں کے بارے میں مکمل طور پر بتایا اور اس کے علاج کے بارے میں بتایا اور احتیاطی تدابیر بھی بتائیں۔ کیا کھاتا ہے اور کیا نہیں کھاتا۔ اُن کا نام پوچھا تو وہ عیسائی تھا۔ ان سے کہا کہ ہم سے کیا مطلب؟ یہ تو عیسائی ہے۔ ہم سے کیا تعلق ہے؟ پھر تیسرا مریض آیا وہ پارسی تھا۔ اس کی آنکھیں خراب تھیں۔ ڈاکٹر نے اس کو سب کچھ بتا دیا۔ جب اس نے اپنا نام بتایا تو پتہ چلا کہ وہ پارسی ہے۔ کہا کہ ہم سے کوئی تعلق نہیں یہ تو پارسی ہے۔

ارے بھئی!

یہ ڈاکٹر بتا رہا ہے مذہب کے حساب سے نہیں مرض کے حساب سے۔ آج عالم اسلام کا یہی حال ہے کہ ہم نے ایک آیت سنائی تو کہا کہ یہ کافروں کے لیے ہے، دوسری سنائی تو کہا کہ یہ مشرکوں کے لیے ہے، تیسری آیت سنائی تو کہا کہ یہ یہودیوں کے لیے ہے، چوتھی آیت سنائی تو کہا کہ یہ فلاں کے لیے ہے۔ ہم سے کیا مطلب؟ ہم تو مسلمان ہیں ——(نعرۂ حیدری)

آپ خدا کے لیے، جس کو مانتے ہیں —— اللہ کو، اسی کے لیے، جس رسولؐ کو مانتے ہیں اس کے لیے، میری آواز جہاں جہاں جاری ہے اور جو جو کلمہ گو میری آواز سن رہا ہے میں اس سے بڑی دردمندانہ اپیل کرتا ہوں کہ اسلام کو بہت ساری مخالفتوں کا سامنا ہے۔ اسلام بڑے مشکل دور سے گزر رہا ہے۔ مسلمان بہت مسائل کا شکار ہیں۔ آپ اپنے جھگڑے چھوڑیے، اپنے اختلافات چھوڑیے، زمانہ آپ کے درپے ہے، دشمن آپ کے خلاف ہے، سپر پاور آپ کے لیے اسکیمیں بنا رہے ہیں اور آپ اس بات پر لڑ رہے ہیں کہ فلاں مسجد میں کیا پڑھا گیا، دوسری مسجد میں کیا پڑھا

گیا، اس نے کیا کہہ دیا، انھوں نے کیا کہہ دیا؟ ــــ (نعرۂ حیدری)

کب تک آپس میں اس طرح لڑتے رہیں گے؟ کب تک ان بحثوں میں پڑے رہیں گے؟ کب تک ان اختلافات کا شکار رہیں گے۔ آپ سوچئے، کبھی انصاف سے بتائیے کہ تعلیم کے میدان میں آپ کتنے پیچھے ہیں ــــ سوچئے کبھی۔

اپنے گریبان میں جھانکئے، آپ کے کون سے شہر میں ایسی یونیورسٹی ہے جو کسی اور ملک میں نہ ہو، صرف آپ کے ملک میں ہو۔ آپ نے کون سی ایسی ایجاد کرلی ہے جو دُنیا میں کسی کے پاس نہ ہو، صرف آپ کے پاس ہو۔ آپ بتائیے آپ نے کس فیلڈ میں ترقی کی ہے؟ محض لڑنے میں؟ محض ایک دوسرے کو بُرا کہنے میں؟

دُنیا اپنے سفیر کو چاند سے آگے بھیج رہی ہے۔ ان کے لیے چاند کا سفر پرانا ہو چکا، اب مریخ اور زہرہ کے اُوپر جائیں گے۔ افسوس اس پر ہے کہ جس کا رہبر یہ کہہ کر گیا تھا:

سَلُوْنِیْ سَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ اِنِّیْ اَعْلَمُ طُرُقَ السَّمٰوٰتِ مِنْ طُرُقِ الْاَرْضِ

"مجھ سے پوچھو اس سے پہلے تم مجھے نہ پاؤ، میں آسمان کے راستوں کو زمین کے راستوں سے بہتر جانتا ہوں"۔

(نعرۂ حیدری)

عزیزو!

ہماری اُردو زبان میں ایک مثال مشہور ہے:

"کنواں پیاسے کے پاس نہیں جاتا پیاسا کنویں کے پاس جاتا ہے"۔

یہ اُردو کی بڑی مشہور مثال ہے لیکن دُنیا میں اس مثال کے اُلٹ ہی ہوا۔

وہ کیسے؟

دریا پیاسوں کے پاس آیا۔ کنواں نہیں بلکہ دریا آیا پیاسوں کے پاس اور دریا نے آواز دی کہ جتنا پی سکتے ہو جی بھر کے پی لو۔ ہم تمھارے درمیان سے گزر رہے ہیں۔ گزر جائیں گے تو پانی نہیں ملے گا اور تم پیاسے مرجاؤ گے۔

ارے!

پھٹکار ہو اس اُمت پر جس نے دریا کی قدر نہ کی۔

عزیزانِ گرامی!

یہ اُمت کی بدنصیبی ہے کہ مولا علیؑ جیسا عالم آیا اور اس اُمت نے کچھ حاصل نہ کیا، حالانکہ انھوں نے بار بار فرمایا:

سَلُوْنِی سَلُوْنِی قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِی

"مجھ سے پوچھو قبل اس کے کہ میں تمھارے درمیان سے چلا جاؤں"۔

سَلُوْنِی عَنْ طُرُقِ السَّمَآءِ

"مجھ سے آسمانوں کے راستے پوچھ لو"۔

میں زمینوں کے راستوں سے زیادہ آسمانوں کے راستوں کا جاننے والا ہوں۔ یہ میرے سینے میں اِدھر اُدھر علم جمع ہے۔ علم کا خزانہ جمع ہے۔

زَقَّنِی رَسُوْلُ اللہِ زَقًّا زَقًّا

"رسولؐ نے مجھ کو علم یوں بھرایا ہے جیسے پرندہ اپنے بچے کو دانہ بھراتا ہے"۔

علیؑ نے ہر پیش کش کی لیکن اُمت منہ پھیلائے بیٹھی رہی اس لیے کہ علیؑ کہہ رہے تھے۔

ارے!

دریا کا کچھ نہ بگڑا، دریا آج بھی دریا ہے، بدنصیب وہ کنارے والے تھے جو آج بھی پیاسے مر رہے ہیں ___ (نعرۂ حیدری)

عزیزانِ گرامی!

آج مسلمان نہ علم کے میدان میں ہے، نہ تجارت کے میدان میں ہے، اس کے اندر نہ کوئی نظم وضبط ہے، نہ اس کے ملک میں کوئی تہذیب ہے، یہاں تک کہ کہاں تک میں آپ کو مثالیں دوں۔ زیادہ مثالیں دوں گا تو ہوسکتا ہے کہ دل آزاریاں ہونے لگیں اور جذبات مجروح ہونے لگیں۔

توجہ!

کہا جاتا ہے کہ اس نے ہمارے ساتھ یہ کیا، انھوں نے ہمارے ساتھ وہ کیا۔

دیکھیے!

یہ سب تو ٹھیک ہے کہ انھوں نے آپ کے ساتھ یہ سب کچھ کیا لیکن یہ بتایئے کہ آپ نے خود اپنے ساتھ کیا کیا؟

توجہ ہے!

آپ مذہب کی دہائی دے کر علمی میدان میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں، تحقیقات اور ریسرچ کے میدان میں پیچھے ہوتے جاتے ہیں۔

میں آپ کو کیا بتاؤں!

یہ چیزیں ہر ایک تک نہیں پہنچی ہیں مگر میں چونکہ دنیا گھومتا رہتا ہوں اس لیے

مجھے اس کی معلومات مل جاتی ہیں۔ بہت سے کورسز آج دنیا میں ایسے ہیں جن میں نائن الیون کے بعد مسلمان اسٹوڈنٹس کو داخلہ نہیں ملتا۔ داخلہ نہیں دیتے، کوئی نہ کوئی عذر نکال لیتے ہیں اس لیے کہ ان کو اعتبار نہیں۔ آپ کے پاس ایسی ٹیکنالوجی ہے نہیں کہ ٹھیک ہے تم نہ پڑھاؤ، ہم پڑھائیں گے، آپ نے وہ چیز حاصل ہی نہیں کی، پڑھائیں گے کہاں سے؟

نتیجہ کیا ہوگا؟

جب آپ کے دو چار بوڑھے جو ہیں وہ بھی ختم ہو جائیں گے تو آپ کی قوم سے وہ علم ہی غائب ہو جائے گا۔

رسولؐ کیا فرما گئے تھے؟

اُطْلُبُوْا الْعِلْمَ

”علم حاصل کرو“۔

یہاں یہ ہے کہ اس اسکول میں آگ لگائی جا رہی ہے لڑکیوں کے پڑھنے پر پابندی لگائی جا رہی ہے، لڑکوں کی کتابیں چھینی جا رہی ہیں۔ یہ سب اصل میں دشمنی حیدرِ کرارؑ ہے، اس لیے کہ جتنا علم بڑھے گا اتنا اتنا دنیا علیؑ کے قریب آئے گی اور جتنا جتنا علم گھٹے گا اتنا اتنا دنیا علیؑ سے دُور ہو جائے گی۔

یہ تاریخ کا ایک واقعہ ہے، آپ بھی پڑھیے گا۔ میں اس کو تفصیل سے نہیں پڑھوں گا۔ شام سے علیؑ کے پاس ایک دھمکی آمیز خط آیا تھا کہ ہمارے پاس ایسا لشکر ہے جو اُونٹ اور اُونٹنی میں تمیز نہیں کر سکتا بالکل جاہل۔

سمجھے آپ!

تو مولا علیؑ چاہتے تھے کہ علم عام ہو۔

ہم نے کیا کیا؟

عالمِ اسلام نے کیا کیا؟

سوائے اس کے کہ آپس میں لڑتے رہے، جھگڑتے رہے، فساد کرتے رہے اور یہ فساد، یہ لڑائی اور یہ جھگڑا اور یہ مذہبی انتہاپسندی اس حد تک پہنچ گئی کہ آج دنیا میں ہم دہشت گردوں میں شمار ہو رہے ہیں۔

لاکھ آپ کچھ کیجیے صرف اخبار پڑھ لیا کیجیے، آپ کو سب کچھ اندازہ ہو جائے گا کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟ جہاز میں سفر کرنے سے روک رہے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں اس میں ڈر لگتا ہے تو عوام دہشت کی علامت بن گئے ہیں۔ اب بھی آپ کو وہ چودہ سو سال پہلے والے جھگڑے یاد ہیں اور کچھ نہیں یاد۔ وہ باتیں یاد ہیں اور کچھ نہیں یاد۔ آج بھی انھی لوگوں کو کلیجے سے لگائے ہوئے جنھوں نے اسلام کو یہاں تک پہنچایا ہے۔ ابھی ابھی آنکھیں نہیں کھلیں؟ ابھی بھی ہوش میں نہیں آئے؟ ابھی بھی ہمارے ہیرو وہی بادشاہ ہیں جنھوں نے سروں کے مینار بنائے تھے؟ ابھی بھی ہمارے سامنے، ہمارے ماڈل اور نمونے وہی لوگ ہیں جنھوں نے دنیا میں آگ لگائی تھی اور ظلم و ستم کیے تھے۔

عزیزانِ گرامی!

کل کی مثال میری یاد کیجیے کہ گنگا کا پانی جہاں سے اُبلا ہے وہاں نہایت زندگی بخش ہے اور جب اس نے طویل راستہ طے کیا ہے تو وہ زندگی کے لیے مشکل اور خطرناک ہو گیا ہے۔

عزیزانِ گرامی!

اسی طریقے سے اسلام کے حقیقی ماخذ تلاش کیجیے۔ اگر آپ کو اس مصیبت سے

نجات حاصل کرنی ہے اور اگر آپ کو زمانے سے مقابلہ کرنا ہے تو اسلام کے اصلی ہیرو کو تلاش کرو۔ آپ تو فرقہ بندی میں پڑے ہیں۔ یہ کافر ہیں، وہ کافر ہیں۔ مسلمانوں کے اندر کافروں کی قطار بنی ہے۔ ذرا سا آپ کی مرضی کے خلاف ہوا اور کافر ہو گئے۔

ہم کہہ رہے ہیں: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ

ہم اللہ کو مانتے ہیں، رسولؐ کو مانتے ہیں، قرآن کو مانتے ہیں، قیامت کو مانتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، حج کو جاتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں۔ کسی چیز سے انکار نہیں ہے۔ کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔

انھوں نے کہا: ہاں! بھئی! تم تو کافر ہو۔ کیوں کافر ہو؟

علَم کو اُٹھاتے ہو، یہ بت پرستی نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

اچھا!

تو حسینؑ کا علَم اُٹھانا کفر کی علامت ہے اور حسینؑ کو شہید کر دینا عین اسلام ہے ــــ (نعرۂ حیدری)

مَیں علمائے اسلام سے گزارش کروں گا اور ذمہ دار علماء سے گزارش کروں گا کہ آپ تھوڑا سوچیے اور غور کیجیے اور اپنے اپنے لوگوں کو سمجھائیے کہ اس وقت اسلام بڑی مشکل دور سے گزر رہا ہے۔ سپر پاورز آپ کے خلاف ہیں۔ اسرائیل آپ کے خلاف ہے۔ دنیا کی مختلف طاقتیں آپ کے خلاف ہیں۔ آپ اگر آپس ہی میں لڑتے رہیں گے تو کیسے زندہ رہیں گے۔ یہ لوگ آپس کی لڑائی سے فائدہ اُٹھا کر آپ کو لڑواتے رہیں گے، خون میں نہلاتے رہیں گے۔

دیکھیے!

مَیں یہ نہیں کہتا کہ ہر آدمی میرے مطلب پہ آ جائے یا مَیں کسی کے مسلک پہ

چلا جاؤں لیکن اپنے مسلک کو نرمی کے ساتھ عقل کی روشنی میں واضح فرمایئے۔ طنز نہ فرمایئے، یہ بالکل مناسب نہیں ہے کہ آپ طنز فرمائیں۔ طنز کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ اپنی بات کرنے کا ہر ایک کو حق حاصل ہے۔ ہم کو اپنی بات کہنے کا حق حاصل ہے۔ آپ کو اپنی بات کرنے کا حق ہے۔ ہر مسلمان اپنے نظریئے کے حساب سے سوچے لیکن یہ بھی سن لیں کہ ہم کن حالات سے گزر رہے ہیں اور اس وقت ہم کن حالات میں ہیں؟

کیا یہ اسلام ہے کہ مساجد میں بم دھماکے کیے جائیں؟

کیا یہ اسلام ہے کہ ہر جمعہ کو کچھ لوگوں کو قتل کرنے کی سنت پوری کی جائے؟

جہاں دل چاہا وہاں دہشت گرد گھس گئے۔ دس بیس اور پچاس آدمیوں کی جان لے لی اور کہہ دیا کہ صاحب وہ پکڑے نہیں جاسکے، وہ بھاگ گئے، تحقیق ہو رہی ہے، انکوائری ہو رہی ہے، پکڑے جائیں گے تو دیکھا جائے گا۔

عزیزانِ گرامی!

کبھی آپ ان لوگوں سے پوچھئے کہ قتل کرنے کا فلسفہ کیا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ مسلمان نہیں ہیں، یہ ہمارے مسلک پہ نہیں ہیں، لہٰذا ان کا قتل کر دینا بالکل جائز ہے، چاہے مسجد میں ہوں تب بھی قتل کر دو۔ چاہے امام بارگاہ میں ہوں تب بھی قتل کر دو، چاہے کہیں جا رہے ہوں تب بھی قتل کر دو، کہیں سے آ رہے ہوں تب بھی قتل کر دو، ان کو قتل کر دو، یہ ٹھیک نہیں ہیں۔

یہ کون سا فلسفہ ہے؟

آپ یقین مانئے کہ اس سوچ کے پیچھے علمائے اسلام کا ہاتھ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کچھ قاتل جو پکڑے گئے اور جب ان سے پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ ہم کو

یہ بتایا گیا ہے کہ تم ایک کافر کو مار دو تو جنت میں جاؤ گے۔ ایک حور ملے گی، جنت ملے گی، مغفرت ملے گی لہٰذا تم جاؤ۔

جو خودکش دھماکہ کرنے والے ہیں ان کو یہ ٹریننگ دی جاتی ہے کہ اگر تم ایسا کرو گے اور اس کے اندر مارے بھی جاؤ گے تو تمہیں فوراً جنت میں جگہ ملے گی اور جگہ میں خالی جگہ ہی نہیں ملے گی بلکہ ایک حور بھی تمہیں ملے گی اور تم بڑے آرام اور آرائش سے وہاں رہو گے اور دنیا کی تکالیف و پریشانیوں سے چھوٹ بھی جاؤ گے اور مزے کرو گے۔ یہ تعلیم دی جاتی ہے۔

عزیزانِ گرامی!

میں آپ سے صرف ایک سوال کرتا ہوں کہ اس تعلیم کے پیچھے صرف مولوی ہوتا ہے اور کوئی نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ ڈاکٹر ہمیشہ مرنے سے ڈراتا ہے۔ ڈاکٹر جو مریض کو کسی مرض سے ڈراتا ہے، دھمکاتا ہے کہ یہ ہے وہ ہے اور اس کے نتیجے میں اگر آپ توجہ نہ کیجیے گا تو یہ بھی ہو سکتا ہے اور اگر یہ ٹھیک نہ ہوا تو یہ بھی ہو سکتا ہے یہاں تک کہ ہوتے ہوتے وہ ایک ایسی منزل تک آتا ہے کہ جہاں تک پہنچ کر آدمی کی موت بھی واقع ہو سکتی ہے لیکن مرنے کے بعد آپ کہاں جائیں گے؟ اس سے ڈاکٹر نے مرنے تک کی کہانی تو سنائی ہے کہ یہ مرض اگر بہت زیادہ بڑھ جائے تو آدمی کی جان لے لے گا لیکن یہ نہیں کہتا کہ مرنے کے بعد کہاں جاتا ہے۔ یہ ڈاکٹر کا کام نہیں ہے۔

وکیل کے پاس جائیے تو وہ بھی ڈراتا ہے کہ صاحب دیکھیے یہ بڑا پیچیدہ معاملہ ہے، مشکل کیس ہے۔ یہ ہے وہ ہے۔ یہ لگ گیا تو یہ ہو جائے گا۔ اگر پولیس نے یہ دفعہ لگا دی تو یہ ہو جائے گا یہاں تک کہ ہوتے ہوتے اس حد تک آتا ہے کہ صاحب

اس کا سروے ضرور کریں۔ ہم نے رسولؐ کے بعد۔ جب رسولؐ دنیا میں تھے تو ہم اور آپ سب ان کی محفل میں بیٹھتے تھے۔ سب ساتھی تھے۔ رسولؐ استاد تھے، ہم بھی سیکھ رہے تھے، آپ بھی سیکھ رہے تھے، سب سیکھ رہے تھے۔ جب رسولؐ چلے گئے تو ہم نے اپنے مشکل مسائل کے لیے مولا علیؑ کو منتخب کیا کہ ہم ان سے پوچھیں گے۔

دیکھیے!

ٹھنڈے دل سے سنتے جائیے، اس میں بگڑنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی کسی پر اعتراض ہے۔ ہم نے کیا کیا ہم بتا رہے ہیں لیکن آپ نے کیا کیا ہمیں اس پر اعتراض نہیں ہے۔

تو ہم نے مسائل دریافت کرنے کے لیے، اپنی رہنمائی کے لیے مولا علیؑ کو بہت بہتر سمجھا کہ ہم ان سے پوچھیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ کیا کام ہم نے غلط کیا؟

سوچیے آپ!

اگر ہم نے مولا علیؑ کو منتخب کیا کہ جو ہمیں معلوم کرنا ہوگا ہم ان سے پوچھیں گے تو کیا یہ کام ہم نے غلط کیا؟

کیا مولا علیؑ عالم نہیں تھے (معاذ اللہ) جو ہم نے ایک بے پڑھے لکھے آدمی کو اپنا لیڈر مان لیا؟ اگر معاذ اللہ مولا علیؑ پڑھے لکھے نہیں تھے تو علمائے اسلام میں سے کوئی عالم لکھ کر دے دے کہ مولا علیؑ کے اندر معاذ اللہ لیاقت نہیں تھی۔ آپ نے اس کو رہبر بنایا کہ جس میں لیاقت ہی نہیں تھی۔ وہ تو قرآن و حدیث کا مطلب نہیں بتا سکتے تھے۔ آپ نے ان کو بنا لیا اس لیے ہم آپ کو غلط کہتے ہیں۔

ہے کوئی لکھنے والا دنیا میں جو کہے کہ مولا علیؑ کے اندر معاذ اللہ مسئلہ بتانے کی لیاقت نہیں تھی؟

بارہ برس تک قید ہو سکتی ہے۔ لیکن اس سے آگے وکیل صاحب کچھ نہیں بتاتے ہیں کہ جب بارہ برس کی قید کاٹ لیں گے تو ہم جنت کے مستحق ہوں گے کہ جہنم کے مستحق ہوں گے؟ اس سے وکیل صاحب کو بحث نہیں ہے کہ بارہ برس کی قید ہو سکتی ہے۔

استاد لڑکے کو سمجھاتا ہے کہ بیٹا پڑھو لکھو، یہ کرو وہ کرو ورنہ تم فیل ہو جاؤ گے۔ فیل ہو جانے تک تو بتاتا ہے لیکن یہ نہیں کہتا کہ جنت میں جاؤ گے کہ جہنم میں؟ یہ کام مولوی کا ہے، جنت و جہنم سے تعلق نہ پروفیسر کا ہے نہ وکیل کا ہے، نہ انجینئر کا ہے، نہ ڈاکٹر کا ہے۔ جنت و جہنم سے تعلق فقط مُلّاں کا ہے کہ یہ کام کرو گے تو جنت میں جاؤ گے۔ اس لیے کہ جنت کا ٹھیکیدار یہی ہے۔ یہ کام کرو گے تو جہنم میں جاؤ گے لہٰذا جنت دکھا دکھا کر دہشت گرد بنا رہے ہیں۔

ارے!

سردارانِ جنت کو چھوڑنے کا نتیجہ ہے کہ جنت کے لالچ میں مرے جا رہے ہیں ——(نعرۂ حیدری)

ہاں!

تو اب غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں اگر اسلام چاہیے تو کس ذریعہ سے اسلام لیں جو ہم کو پاک و پاکیزہ اللہ کے رسولؐ نے جو پہنچایا تھا وہ اسلام مل جائے؟ اصل مسئلہ یہ ہے کہ یہ بات غور طلب ہے کہ ہمارے پاس اسلام حاصل کرنے کا ذریعہ کیا ہونا چاہیے، اس لیے کہ اسلام حاصل کرنے کے ذرائع بہت زیادہ ہیں۔ ایک ہمارا ذریعہ ہے اور بقیہ اور عالمِ اسلام میں لوگوں کے ذریعے ہیں۔ ہمارے پاس جو ذریعہ ہے وہ ائمہ اہلِ بیتؑ کا ذریعہ ہے۔ جس کا دل چاہے وہ ہمارے ذریعے کے لیے اپنی معلومات فراہم کر سکتا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ اسے مان لیجیے لیکن کم از کم آپ

ارے ؟!

یہ کیسے کہیں گے جو خود پوچھنے کے لیے کھڑے ہوتے تھے ــــ (نعرۂ حیدری)

اچھا دوسری بات!

ایک بات تو ہوگئی کہ عالم تھے وہ۔ کیا مولا علیؑ Out Sider تھے؟ کیا اُن کا تعلق اسلام سے نہیں تھا؟ باہر سے کدھر سے آئے تھے؟

تو مولا علیؑ کو Out Sider کون کہے گا؟

کوئی اور ہو تو ہو جو خدا کے گھر میں پیدا ہو وہ Out Sider کیسے ہو سکتا ہے ــــ (نعرۂ حیدری)

کیا مولا علیؑ صحابی نہیں تھے (معاذ اللہ)؟

اس لیے کہ حدیث آپ کے پاس ہے۔ ہمارے ہاں پتہ نہیں ہے کہ نہیں ہے لیکن عالمِ اسلام میں بہت مشہور حدیث ہے:

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ

"میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ جس کی بھی پیروی کرو گے نجات پا جاؤ گے"۔

تو مولا علیؑ کو آپ قمرِ امامت نہ مانیے لیکن صحابیت کا ستارہ تو تھے۔

کیا مولا علیؑ صحابی نہیں تھے (معاذ اللہ)؟

جو دو دو، چار چار برس رسولؐ کے ساتھ رہے وہ صحابی ہو گئے لیکن جو دنیا میں آتے ہی رسولؐ کے ساتھ رہا کیا وہ صحابی نہیں ہوگا؟

تو مولا علیؑ صحابی بھی تھے۔

کیا مولا علیؑ رسولؐ کے رشتہ دار نہیں تھے؟

رشتہ دار تھے بلکہ سگے چچا کے بیٹے بھی تھے۔ رشتہ داری بھی تھی، خالی صحابیت ہی نہیں تھی بلکہ خاندان میں شامل تھے۔ خاندان بھی ایک تھا۔ مولا علیؑ اور رسولؐ خدا کے دادا ایک ہی تھے۔ حضرت عبدالمطلبؑ مولا علیؑ کے بھی جدامجد تھے اور رسولؐ خدا کے بھی جدامجد تھے۔ دادا ایک ہی تھے، باپ الگ الگ تھے۔ جناب عبدالمطلبؑ کے دونوں بیٹے تھے: (۱) حضرت عبداللہؑ (۲) حضرت ابوطالبؑ۔

ایک رسولؐ خدا کے والدِ محترم اور دوسرے مولا علیؑ کے والدِ محترم۔

تو رشتہ دار بھی تھے۔ کیا کوئی اور نئی رشتہ داری بھی ہوئی اس رشتہ داری کے ساتھ؟

کہا: ہاں! ایک نئی رشتہ داری بھی ہوئی۔

کون سی؟

رسولؐ خدا نے اپنی بیٹی بھی بیاہی مولا علیؑ کے ساتھ۔

مولا علیؑ رسولؐ خدا کے چچازاد بھی تھے اور داماد بھی ہو گئے۔

اچھا!

مسلمانوں میں مولا علیؑ ناپسندیدہ شخصیت ہیں یا پسندیدہ شخصیت؟

اگر مسلمانوں میں مولا علیؑ ناپسندیدہ ہوتے تو مسلمان مولا علیؑ کو اپنا خلیفہ کیوں چنتے؟ لہٰذا مسلمانوں نے مولا علیؑ کو خلیفہ چن کر اپنی پسند کا بھی اعلان کیا۔ تو جو مسلمانوں کی بھی پسند ہو، رسولؐ کی بھی پسند ہو، خدا کی بھی پسند ہو، صحابی بھی ہو، رشتہ دار بھی ہو، سب فضیلتیں موجود ہوں۔ اگر ہم نے ان کو select کر لیا تو ناراضگی کاہے کی؟ ـــــ (نعرۂ حیدری)

تو ہم نے مولا علیؑ کو منتخب کیا کہ ہم ان کے ذریعے سے اسلام لیں گے۔

یہ بات بری لگنے کی تو نہ تھی، کسی کو بھی بری لگنے کی نہ تھی مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بنی اُمیہ کو یہ بات بری لگی کہ ہم نے مولا علیؑ کو کیوں منتخب کیا؟

آپ سوچئے گا ذرا کہ اسلام کی تاریخ میں بگاڑ کہاں سے آیا ہے؟

بنی اُمیہ مولا علیؑ کے دشمن تھے۔ آج جو جس کا دل چاہے کہے اور جو جس کا دل چاہے سنے لیکن بنی اُمیہ مولا علیؑ کے دشمن تھے۔ بنی اُمیہ مولا علیؑ کے دشمن اس لیے تھے کہ بارہ برس تک مکہ میں بنی اُمیہ نے یہ کوشش کی کہ رسولؐ اللہ کو مار ڈالیں اور بارہ برس تک مولا علیؑ نے شمع رسالت کا فانوس بن کر رسولؐ کی حفاظت کی۔ لہٰذا بنی اُمیہ کو اپنی یہ ناکامی بہت تکلیف دہ محسوس ہوئی کہ ان کی وجہ سے ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ پھر جب رسولؐ خدا ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تو بنی اُمیہ انتقام میں لشکر لے کر آئے اور پہلی لڑائی میں جس کو اسلام میں جنگِ بدر کہا گیا ہے اس میں مولا علیؑ نے کھڑے کھڑے ان کے کئی آدمیوں کو مار ڈالا۔ یہ ان لوگوں کو مارا جو تلواریں کھینچے ہوئے کہہ رہے تھے: آؤ محمدؐ کا گلا کاٹیں (معاذ اللہ)۔

جو محمدؐ کو قتل کرنے آئے تھے وہ اپنی لاشیں تڑپتے چھوڑ کر چلے گئے۔ مولا علیؑ نے ایک ایک کو واصلِ جہنم کیا۔ بنی اُمیہ کو اس بات کا بڑا دکھ تھا اور بڑا افسوس تھا۔

پھر جب بنی اُمیہ انتقام لینے کے لیے دوسری لڑائی میں آئے جس کو جنگِ اُحد کہتے ہیں اور انھوں نے اپنی فوجی مہارت سے یا مسلمانوں کی ایک غلطی سے اس لڑائی میں اچھی خاصی کامیابی بھی حاصل کر لی لیکن مولا علیؑ کی وجہ سے وہ مکمل طور پر کامیاب نہ ہو سکے اور رسولؐ خدا کی زندگی مولا علیؑ نے بچائی ورنہ اس وقت شاید بنی اُمیہ کے دل کی حسرت پوری ہو جاتی۔ یہ وہ آگ تھی جو بنی اُمیہ کے کلیجے میں لگی ہوئی تھی۔ اس آگ کو بجھانے کے لیے انھوں نے ستر برس تک منبروں پر مولا علیؑ کو برا کہا۔ اس

آگ کو بجھانے کے لیے انھوں نے کربلا میں امام حسینؑ کا پورا گھر تہہ تیغ کیا۔

عزیزانِ گرامی!

زندگی رہی تو بات کل آگے بڑھے گی۔ آج تو صرف اتنا کہ اسلام کی تاریخ میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو چھپی رہ گئی ہو۔

امام حسین علیہ السلام نے عمر ابن سعد کو بلایا، اپنے سامنے للکار کر کہا: اے سعد کے بیٹے! میرے سامنے آؤ۔ وہ سامنے آیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ بتا کہ کیا میں نے شریعت کو بدل دیا ہے؟

کیا میں نے حلالِ محمدؐ کو حرام کر دیا ہے؟

کیا میں نے حرامِ اُمت کو حلال کر دیا ہے؟

کیا میرے ذمہ کوئی خون باقی ہے جس کا بدلہ نہ لیا گیا ہو؟

کیا مجھ پر کسی کا قرض باقی ہے جس کو وصول کرنے آئے ہو؟

کیا بات ہے؟ کیوں آئے ہو اور یہ لشکر کیوں آیا ہے؟

آپ جانتے ہیں کہ اس کا جواب تاریخ کے اندر آج بھی محفوظ ہے اور وہ آواز آج بھی سنائی دے رہی ہے کہ وہ لعین اپنے گھوڑے کی رکابوں پر زور دے کر اُونچا ہوا تاکہ پورا لشکر اسے دیکھ لے اور اس نے چیخ کر کہا:

يَا حُسَيْنُ بُغْضًا لِأَبِيْكَ

"اے حسینؑ! ہم تو تمھارے باپ کی عداوت میں تم سے لڑ رہے ہیں"۔

مولا علیؑ سے دشمنی کے شعلے تھے جو کربلا میں بھڑکے (معاذ اللہ)۔ یہ تو سردارِ لشکر کا بیان ہے۔ اب جس نے حکم دیا تھا اور جس کے پاس بادشاہت تھی اس کا بیان سنیے:

جب اہلِ بیت علیہم السلام کا قافلہ اسیر ہو کر شام گیا اور یزید ملعون نے امام حسینؑ کا کٹا ہوا سر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور اس کو اطمینان ہو گیا کہ جو خبریں مجھ تک آئی تھی وہ صحیح تھیں تو اس نے اپنے چہرے سے نقاب اُلٹی۔

دیکھیے!

کبھی مسلمان سوچیں اور علمائے اسلام جن کی دسترس کتابوں تک ہے وہ میری اس تقریر کے حوالے ڈھونڈیں، مل جائیں گے تاریخ سے۔ یہ کوئی خاص بات نہیں ہے جو تاریخ سے نہ ملے۔ اس کے بعد وہ سوچیں کہ یزید کہتا ہے:

لَیتَ اَشْیَاخِی بِبَدرٍ شَھِدُوْا
لَعِبَت بَنُوْھَاشِمٍ بِالْمُلْکِ فَلَا
خَبَرٌ جَآءَ وَلَا وَحیٌ نَزَلَ

یزید یہ شعر پڑھ رہا ہے بیٹھا۔ اُردو میں کیا ترجمہ ہے ان کا؟

کہتا ہے: ''کاش میرے بدر والے بزرگ زندہ ہوتے؟''

کون بدر والے؟

یزید کے خاندان کے وہ بزرگ جو امام حسین علیہ السلام کے والد گرامی مولا علیؑ نے مارے تھے، یزید کی دادی ہند کے باپ کو، جنابِ حمزہؓ نے مارا تھا، یزید کی دادی کے بھائی کو مولا علیؑ نے مارا تھا، یزید کی دادی کے بیٹے کو مولا علیؑ نے مارا تھا۔

سمجھے آپ!

یہ سب مولا علیؑ کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔

کہتا ہے: ''کاش میرے بدر والے بزرگ ہوتے یعنی وہ کافر جو رسول اللہؐ کو قتل کرنے آئے وہ ہوتے۔ کاش وہ زندہ ہوتے،

وہ یہ منظر دیکھ کر خوش ہوتے"۔

وہ تو خوش نہیں ہو رہے لیکن یہ خوش ہونے کو زندہ ہے۔

"اور یہ منظر دیکھ کر مجھے دعائیں دیتے کہ یزید! تیرے بازو بھی شل نہ ہوں"۔

اب بتایئے آپ!

یہ بدر کی لڑائی اسلام اور کفر کی لڑائی تھی۔ مسلمانوں کا خلیفہ کافروں کو یاد کر رہا ہے اور مسلمانوں کے رسولؐ کے نواسے کو قتل کر رہا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی اس کے اسلام کے بارے میں کوئی گنجائش ہے؟

اس کے بعد جو دوسرا شعر ہے اس کا، وہ اس کے اسلام سے نکل جانے کی دلیل ہے۔

کہتا ہے:

لَعِبَت بَنُوْهَاشِمٍ بِالْمُلْكِ فَلَا
خَبَرٌ جَآءَ وَلَا وَحْیٌ نَزَلَ

"ہاشمیوں نے ملک کے ساتھ ایک کھیل کھیلا تھا"۔

ہاشمی سے مراد پتہ ہے کون لوگ ہیں؟

رسولؐ اللہ، آپؐ ہاشمی تھے۔ آپؐ کے پردادا کا نام جناب ہاشمؑ تھا۔ مولا علیؑ ہاشمی تھے۔ جناب حمزہؑ ہاشمی تھے۔ یہ تمام ہاشمی تھے۔ حضرت ہاشمؑ کی نسل سے تھے۔ جناب جعفر طیارؑ ہاشمی تھے۔

لَعِبَت بَنُوْهَاشِمٍ بِمُلْكِ فَلَا

"ہاشمیوں نے تو ملک کے ساتھ ایک کھیل کھلا تھا"۔

خَبَرٌ جَآءَ وَلَا وَحْیٌ نَزَلَ

"نہ خبر آئی تھی، نہ کوئی وحی نازل ہوئی تھی"۔

یزید کے اشعار کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ یہ سب ڈھونگ ہے، افسانے ہیں کہ آسمان سے وحی آتی تھی اور خبریں آتی تھیں اور جبرئیلؑ آتے تھے۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ صرف سیاست تھی، ملک حاصل کرنے کا بہانہ تھا (معاذ اللہ)۔

عزیزانِ گرامی!

زبردست بات یہ ہے کہ اس موقع پر چوتھے امامؑ کو بولنا چاہیے تھا اس لیے کہ وہ موجود تھے۔

سوچئے گا ذرا ـــ غور سے سنیے گا!

چوتھے امامؑ کو بولنا چاہیے تھا اس لیے یہ کہ امامؑ کا فریضہ ہے کہ جہاں گمراہی اپنا سر نکال رہی ہو تو وہ اس کا سدباب کرے۔

مولاؑ! بولیے۔

ممکن ہے جواب دیں۔ میری خاموشی میں مصلحت ہے۔ میں بولوں گا تو دین کا وہ مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ ابھی ٹھہر جاؤ۔ جواب آتا ہے، یہ بے جواب نہیں رہے گا۔

طشت میں جو کٹا سر رکھا تھا اس سے آواز آئی:

وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ

"عنقریب ظالموں کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس کروٹ پلٹائے جاتے ہیں"۔

دونوں شعروں کا جواب ہو گیا وہ اس طرح کہ اگر تُو اس لیے خوش ہو رہا ہے کہ

تو نے مجھے مار ڈالا تو سن میں ابھی بھی زندہ ہوں۔ میں بول رہا ہوں اور باتیں کر رہا ہوں اور اگر تو وحی کا انکار کر رہا ہے تو اس سے بڑھ کر دلیل وحی اور کیا ہے کہ کوئی کٹے سر سے قرآن پڑھ رہا ہے۔

چوتھے امامؑ زنجیروں میں جکڑے ہی مگر زندہ موجود تھے دربار میں۔ زندہ آدمی کا جواب دینا زیادہ سے زیادہ جرأتِ اظہار تو کہہ لیجیے، آپ معجزہ نہیں کہہ سکتے۔ یہ معجزہ ہے کہ کٹا سر بول رہا ہے۔

ذکرِ مصائب (تذکرہ جنابِ مسلمؓ ابن عوسجہ)

عزیزانِ گرامی!

یہ پیغامِ حسینؑ ہے جو نشر ہو رہا ہے۔ بس وقت تمام ہوا۔ بات کل آگے بڑھے گی۔ آج محرم کی پانچویں رات آگئی۔ پانچویں رات کا مطلب یہ ہے کہ آدھا محرم تمام ہو گیا۔ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ محرم شروع ہوا تھا۔ آج آدھا محرم تمام ہو گیا۔

اے مولاؑ! ہم دس دن میں جی بھر کر آپ پر رونہ پائے۔

آپ سوچئے!

تاریخیں گزر رہی ہیں، سیدانیوں کے دلوں پر کیا گزر رہی ہوگی۔ جنابِ لیلیٰؑ جنابِ علی اکبرؑ کو دیکھ رہی ہوں گی۔ جنابِ اُمِ فروہؑ جنابِ قاسمؑ کو دیکھ رہی ہوں گی۔ بی بی ربابؑ جنابِ علی اصغرؑ کا جھولا جھلا رہی ہوں گی۔

میں کہوں گا: بی بی سکینہؑ دو چار دن باباؑ کے سینے پر اور سو لیجیے پھر قید خانے کی زمین ہوگی۔ باباؑ کا سینہ نہ ہوگا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ امام حسینؑ کا بوڑھا صحابی مسلمؓ ابن عوسجہ جب مقتل میں آیا

اور زخموں سے چُور چُور ہو کر گھوڑے سے گرا تو امامؑ پہنچے، جنابِ حبیبؓ پہنچے، جنابِ مسلمؓ کا سر زانو پر رکھا، جنابِ مسلمؓ کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔

جنابِ حبیبؓ نے کہا: مسلمؓ! جہاں جا رہے ہو میں بھی وہیں آ رہا ہوں مگر کوئی وصیت ہو تو کر دو مجھ سے؟

روایت بتاتی ہے کہ ایسے عالم میں ساری طاقت یکجا کر کے جنابِ مسلمؓ ابن عوسجہ نے ایک جملہ کہا:

أُوصِيكَ

"میں تمھیں وصیت کرتا ہوں"۔

اس کے بعد طاقت نے ساتھ چھوڑ دیا، صرف ہاتھ اُٹھایا اور امام حسینؑ کی طرف اشارہ کیا کہ میں ان کے لیے وصیت کرتا ہوں۔ ان کا خیال رکھنا۔

جنابِ حبیبؓ نے کہا: آرام سے جاؤ۔ جب تک دم میں دم ہے میں امامؑ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔

میں کہوں گا: اے حبیبؓ! عصرِ عاشور کو آؤ۔ امام حسینؑ نرغے میں گھرے ہیں۔ اِدھر سے نیزہ، اُدھر سے تیر، اِدھر سے تلوار۔ سیدہؑ کا لال گھوڑے پہ ڈگمگا رہا ہے۔

وَا مُحَمَّدَاه وَا عَلِيَّاه

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ ۝

مجلسِ ششم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ارشادِ رب العزت ہے:

وَالۡعَصۡرِ ۙ﴿۱﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ۙ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۬ۙ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ﴿۳﴾

''عصر کی قسم! تمام انسان گھاٹے میں ہیں سوائے ان کے جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے اور وہ لوگ جو ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے ہیں اور وہ جو ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرتے ہیں''۔ (سورۂ عصر)

عزیزانِ گرامی!

سلسلۂ بیان ذہنِ عالی میں ہے اور میرا موضوع بھی ذہن میں ہوگا۔ میرا موضوع ہے ''انسانیت''۔ انسان کے اندر کچھ فطرتیں ہوتی ہیں اور کچھ عادتیں ہوتی ہیں۔ جو عادتیں ہیں وہ باہر سے آتی ہیں جو آدمی میں پڑ جائیں۔ فطرت وہ ہے جو اس کا Nature اس کو دیتا ہے اور اس کی فطرت اس کو دیتی ہے۔ فطرت کے جتنے بھی تقاضے ہیں وہ ہر انسان کے اندر موجود ہیں۔ اس میں رنگ و نسل، خاندان، علاقے کی کوئی قید نہیں ہے۔ فطرت کے تمام تقاضے ہر انسان کے اندر موجود ہیں اور تمام چیزیں جو انسان کی فطرت کا جزو ہیں ان کے اوپر کسی مذہب کو حق نہیں ہے کہ وہ

پابندی لگائے۔

یہ ذہن میں رکھیے گا!

ہماری عادتوں پر تو مذہب پابندی لگا سکتا ہے مگر ہماری فطرت پر مذہب پابندی نہیں لگا سکتا۔

دیکھیے!

مذہب یہ تو کہہ سکتا ہے کہ شراب نہ پیو اس لیے کہ شراب پینا ایک عادت ہے لیکن مذہب یہ نہیں کہہ سکتا کہ پانی نہ پیو اس لیے کہ پیاس لگنا فطرت ہے۔ مذہب یہ تو کہہ سکتا ہے کہ حرام نہ کھاؤ اس لیے کہ حرام کھانا ایک قسم کی عادت ہے۔ مالِ خدا کھا جانا مالِ رسولؐ کھا جانا، مالِ امامؑ کھا جانا، اپنے بھائی کا مال کھا جانا، اپنے عزیز یا دوست کا مال کھا جانا یہ سب عادتیں ہیں۔ اسلام ان سے تو منع کر سکتا ہے کہ رزقِ حرام سے بچو لیکن اسلام یہ نہیں کہہ سکتا کہ کھانا نہ کھاؤ اس لیے اپنی بھوک مٹانے کے لیے کھانا کھانا فطرت ہے۔

مذہب یہ تو کہہ سکتا ہے کہ روزہ رکھو لیکن یہ نہیں کہہ سکتا کہ روزے میں تمھیں بھوک نہ لگنے پائے ورنہ روزہ ٹوٹ جائے گا۔ بھوک تو لگے گی۔ آپ برداشت کرو بھوک کو غروبِ آفتاب تک، اس کے بعد کھالو کھانا۔

مذہب یہ تو کہہ سکتا ہے کہ طوافِ خانہ کعبہ کرو۔ ۵۵ ڈگری سینٹی گریڈ میں کرو، آگ اُگل رہا ہو آفتاب، کرو طوافِ خانہ کعبہ لیکن یہ نہیں کہہ سکتا کہ طواف کے دوران، تمھیں پسینہ نہ آئے۔ اگر پسینے کا ایک قطرہ بھی نکل آیا طواف میں تو پھر سے طواف کرو۔

کیوں ــــ؟

پسینہ نکلنا انسانی فطرت ہے، لہٰذا اس کے اوپر پابندی نہیں لگ سکتی۔

عزیزانِ گرامی!

انسانی فطرت کی بات میں نے اس لیے کی ہے کہ بعض لوگ مذہب کے نام پر فطرت پر پابندی لگانا چاہتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ رونا حرام ہے۔

دیکھیے!

رونا عادت نہیں ہے، رونے کا تعلق کسی کے مرنے سے بھی نہیں ہے۔

یہ بھی ذہن میں رہے!

رونے کا تعلق جذبہ محبت سے ہے، انسان کی فطرت میں ایک جزو ہے جس کا نام ہے محبت۔ یہ محبت اگر فطرتِ انسانی میں نہ ہوتی تو آج دنیا ویران ہوتی۔ محبت ہی کی بنیاد پر ماں بچے کو پالتی ہے ورنہ ایک چھوٹے سے بچے کو پالنا بہت مشکل کام ہے۔

غور فرمایا آپ نے!

محبت ہی کی بنیاد پر باپ محنت کرتا ہے، کماتا ہے اولاد کے لیے، پیسہ حاصل کرتا ہے، وطن کی محبت اولاد کی محبت، گھر کی محبت، خاندان کی محبت، مذہب کی محبت، ایمان کی محبت، عقیدے کی محبت، اہلِ بیتؑ کی محبت۔

سمجھے آپ!

ہر چیز کی تہہ میں محبت کی کارفرمائی ہے۔ تو محبت جو ہے وہ انسان کا ایک جذبہ ہے اندرونی، جو اللہ اس کو دے کر پیدا کرتا ہے۔ وہ بعد میں نہیں آتی اس کے اندر۔ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو محبت لے کر پیدا ہوتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک چھوٹا سا بچہ، چند مہینے کا، تین چار مہینے کا بچہ اپنی ماں سے مانوس ہوتا ہے، ہر ایک کی گود میں روتا ہے لیکن ماں کی گود میں جا کر چپ ہو جاتا ہے۔ یہ اس کی وضاحت نہیں

کر سکا لیکن خاموشی سے بتاتا ہے کہ مجھے اس سے محبت ہے۔

غور فرمایا آپ نے!

یہ معاملہ جو ہے کہ محبت آدمی فطرت میں لے کر پیدا ہوتا ہے تو بہت سی چیزوں کا تعلق محبت سے ہے۔ پرورشِ اولاد کا تعلق محبت سے ہے، روزی روٹی کمانے کا تعلق محبت سے ہے۔ مذہبی اُمور کی انجام دہی کا تعلق محبت سے ہے۔ ہر چیز کے اندر جو ہے محبت کام کر رہی ہے۔

رونے کا تعلق بھی محبت سے ہے اور ہنسنے کا تعلق بھی محبت سے ہے۔ خوشی اور غم، یہ دو جذبے ہیں انسان کے اندر۔ ان دونوں جذبوں کا رشتہ جو ہے وہ محبت سے جا کر جڑ جاتا ہے۔

عزیزانِ گرامی!

آپ کے کسی عزیز کو کوئی بہت بڑا عہدہ مل گیا۔ بڑی خوشی ہوئی۔ یہ خوشی کیوں ہوئی؟ اس لیے کہ آپ کو اس سے محبت تھی۔ وہ اس مرتبے تک پہنچا اس لیے خوشی ہوئی۔

کسی عزیز کا انتقال ہو گیا تو بہت غم ہوا۔ یہ غم کیوں ہوا؟ اس لیے کہ محبت ہے۔ تو آنسو جو ہے وہ محبت کی دین ہے۔ محبت کی وجہ سے ہے۔ اب وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہمارے دل میں چونکہ امام حسینؑ کی محبت ہے لہٰذا واقعاتِ کربلا سن کر آنسو نکلتے ہیں، آنسو نکالے نہیں جاتے بلکہ محبت کی وجہ سے خود بخود نکل آتے ہیں۔

دیکھیے!

یہ زبان ہے، الفاظ کے معانی میں فرق ہو جاتا ہے، نکالنا یا نکالا جانا اور ہے اور نکلنا اور ہے۔

آج کل بمبئی میں لوگوں کو پسینہ بہت آرہا ہے، اس لیے کہ ایسی گرمی شاید ہی کبھی پڑی ہو جیسی اب پڑ رہی ہے۔ تو بہت پسینہ آرہا ہے۔

یہ آپ پسینہ بلاتے ہیں کہ خود بخود آتا ہے؟

پسینہ بلایا نہیں جاتا بلکہ خود بخود آجاتا ہے۔ جب گرمی میں چلے تو پسینے میں شرابور ہو گئے۔ جب مجمع میں بیٹھے تھے تو پسینہ پسینہ ہو گئے۔ معلوم ہوا کہ پسینہ آتا ہے تو پسینہ آنا کوئی چیز نہیں ہے۔ اصل مسئلہ گرمی ہے، گرمی کم ہو جائے تو پسینہ آنا بند ہو جائے گا تو امام حسینؑ پر رونا کوئی چیز نہیں ہے اصل شے محبت ہے۔

یہ تو اُن لوگوں کے لیے پڑھا میں نے کہ جو کہتے ہیں کہ رونا حرام ہے۔ اب اپنے لوگوں کے لیے بھی سُن لیجیے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ جی کیا آنسو بخشوا دیں گے؟ ایک آنسو بخشوائے کیسے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آنسو نہیں بخشوائے گا، محبت بخشوائے گی ــــ (نعرۂ حیدری)

عزیزانِ گرامی!

انسانی فطرتیں جو ہیں ان کو اُجاگر کرنے کے لیے اور انسانی حقوق جو ہیں اُن کو ترقی دینے کے لیے۔ اُن کو زندہ رکھنے کے لیے رسولؐ اور آلِ رسولؐ نے جو خدمتیں کی ہیں ان کو غور سے دیکھنا چاہیے۔

سرورِ کائناتؐ نے انسانیت کو جو فروغ دیا ہے اور ان کی اولاد پاک نے انسانیت کی جو خدمتیں کی ہیں ان خدمتوں کو اُجاگر کیے جانے کا وقت آ گیا ہے تاکہ لوگوں کے دماغ سے اسلام کے تعلق سے جو تصورات ہیں وہ تصورات ختم ہو جائیں اور وہ چیزیں جو لوگوں کے دماغ میں اسلام کے خلاف ملوکیت اور سلطنت نے بھر دی

ہیں وہ نکل جائیں۔

حضورؐ نے اپنی زندگی میں چالیس سال تک دنیا کے سامنے مذہب پیش کرنے سے پہلے وہ اخلاق پیش کیا کہ دُنیا چیخ اُٹھی کہ اس بداخلاقی اور بدمزاجی سے بھری ہوئی دنیا میں کوئی ایسا انسان بھی ہے جو اتنے عظیم اخلاق کا مالک ہو۔

آپ نے واقعات سنے ہوں گے۔ مجھے واقعات دُہرانا نہیں ہیں، ہزاروں دفعہ آپ نے یہ واقعات سنے ہوئے ہیں۔ ہم آج لوگوں کو مذہبوں کے خانوں میں بانٹ کے ان کی اہمیت کو محسوس کرتے ہیں یا ان کو کم ہی سمجھتے ہیں۔ ہمارے رسولؐ نے ایسا نہیں کیا۔ مشہور واقعہ بڑھیا کا، آپؐ کے سر پر کوڑا پھینکنے والا۔ وہ بڑھیا مسلمان نہیں تھی غیر مسلم تھی اور بدتمیز بھی تھی۔ چلتے ہوئے آدمی کے سر پر کوڑا پھینکتی تھی۔ بدتمیز بھی تھی مگر تھی انسان۔ انسان تھی جانور نہیں تھی، تو اُس کی عیادت کو چلے گئے۔ یہ ایک بہت بڑا سبق ہے کہ تمھارا سبق یہی لیکن لڑبھڑ کے دوست نہ بناؤ، طاقت کا مظاہرہ کر کے اپنے کو بڑا ثابت نہ کرو بلکہ اخلاق کا مظاہرہ کر کے اپنے کو بڑا ثابت کرو۔ مدینہ میں جب رسولؐ کے پاس طاقت تھی۔ ایک شاعر بدتمیزی کے شعر کہتا تھا۔ ایک دن مسلمان اس کو پکڑ کر لے آئے کہ حضورؐ یہ ہے جو بدتمیزی کرتا ہے آپؐ کی شان میں۔

کیا حکم ہے؟

کہا: اس کی زبان کاٹ دو۔

جب لوگ زبان کاٹنے لگے تو منع کر دیا۔

کہا: تم نہیں، علیؑ سے کہا: یا علیؑ! تم کاٹ دو۔

مولا علیؑ اس کو مسجد سے باہر لے گئے اس کے ہاتھ پاؤں کھولے اور اپنا اُونٹ

بھی اس کو دے دیا اور کہا: جا، بھاگ جا اپنے قبیلے میں۔

وہاں سے لوگ بپھرے ہوئے آئے، آکر کہا: یارسول اللہ! علیؑ نے آپؐ کی مخالفت کی۔

فرمایا: کیا کر دیا؟

کہا: ہم جس کو اتنی مشکل سے پکڑ کر لائے تھے اس کو علیؑ نے چھوڑ دیا۔ آپؐ نے کہا تھا کہ اس کی زبان کاٹ دو، علیؑ نے زبان کاٹنا تو درکنار اپنے اُونٹ بھی دے دیا اور بھگا دیا۔

اس بات کا رسولؐ پر کوئی اثر نہ ہوا کہ آپؐ ناراض ہوتے۔ آپؐ مسکرائے اور فرمایا: میری بات کا مطلب تم نہیں سمجھے، علیؑ سمجھے۔

اب یہ بھی سمجھ لیجیے!

یہ تاریخی واقعہ ہے اس کے پیچھے ایک قصیدہ ہے۔ جو دوسرے دن وہ مسلمان ہوا ہے ایک قصیدہ کہہ کر لایا ہے۔ وہ الگ معاملہ ہے وہ اس وقت مجھے پڑھنے نہیں ہے لیکن ایک بات یہ بھی ہے علیؑ پر رسولؐ کو اعتماد کتنا تھا کہ ہم کہیں یا نہ کہیں ہمارا مطلب یہ سمجھیں گے۔

تو اب رسولؐ کے بعد رسولؐ کا مطلب کون سمجھائے ـــــ؟ (نعرۂ حیدری)

عزیزانِ گرامی!

انسانی حقوق کو سمجھے کہ کیا ہیں۔ لڑائیوں میں سرورِ کائناتؐ نے انسانی حقوق کا خیال کیا کہ جو لڑنے آیا ہے، جان لینے آیا ہے، صرف اس سے لڑیں گے لیکن جو جان لینے نہیں آیا ہے اس سے لڑائی نہیں ہوگی۔ وہ امن میں رہے گا۔ مرحب، انترِ خیبر والے مسلمانوں کی زندگیاں اُجاڑے ہوئے تھے۔ روز قافلے لُوٹ رہے ہیں، روز

لوگوں کو مار رہے ہیں، لوگوں کا جان و مال محفوظ نہیں ہے۔ مجبوراً رسولؐ خدا لشکر لے کر گئے اور جا کر ان کو زیر کیا۔

واقعہ سنا ہوا ہے آپ کا جنگِ خیبر، جب وہ زیر ہو گئے اور ان کا قلعہ فتح ہو گیا اور مرحب کی بہن گرفتار ہو کر آئیں، جو بعد میں اُم المومنین صفیہؓ کہلائیں۔

ان کو اسلام کس نے سکھلایا؟

یہ کیسے مسلمان ہوئیں؟

جن کے سارے عزیزوں کو مسلمانوں نے مارا ہو، وہ اسلام میں کیسے آ گئیں۔

صرف اور صرف رسولؐ کا اخلاق تھا جو اسے یہاں تک لے آیا۔

جب جناب صفیہؓ آئیں تو فرمایا: یہ سردار کی بیٹی ہے، یہ سردار کی بہن ہے، یہ عام قیدیوں جیسی نہیں ہے جو آپ نے اس کو عام قیدیوں کے ساتھ بٹھایا ہوا ہے۔ اس کو عزت سے الگ بٹھاؤ۔

پہلا اثر ہوا اس کے دماغ کے اُوپر کہ اچھا! دشمن کے ساتھ یہ سلوک بھی ہوتا ہے۔ اور جب قیدیوں سے الگ بٹھا دیا گیا تو کہا: تم اپنے کو قیدی نہ سمجھو۔ تم قیدی نہیں ہو۔ تم جاؤ، اپنی رقم لینا چاہو تو لے لو اور جیسی زندگی چاہو گزارو۔

مسلمان ہونے کی بات نہیں کہ کلمہ پڑھ لو۔

کہاں ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا۔ تلوار چمکتی ہے لیکن ہر ایک پر نہیں چمکتی بلکہ جو تلوار چمکائے اس پر چمکتی ہے۔

توجہ ہے!

تو اس چیز نے اس بی بیؓ کے دل پر اتنا اثر کیا کہ نہ صرف انھوں نے اسلام قبول کیا بلکہ انھوں نے رسولؐ اللہ کو پیغام بھیجا کہ آپؐ نے اس دن کہا تھا کہ تو سردار کی

بیٹی ہے اور سردار کی بہن ہے۔

فرمایا: ہاں! میں نے کہا تھا، مجھے یاد ہے۔

کہا: میں چاہتی ہوں کہ بقیہ زندگی، جو میری باقی ہے وہ سردار کی زوجہ بن کر گزاروں، لہٰذا مجھے اپنے عقد میں قبول فرمائیں۔

یہ تھیں وہ بی بی جو تاریخ میں اُم المومنین صفیہؓ کے نام سے موسوم ہوئیں۔

غور فرمایا آپ نے!

یہ بی بی رسولؐ کے اخلاق سے مسلمان ہوئی ہیں، اخلاق کی تلوار سے کاٹا ہے لوہے کی تلوار سے نہیں۔

عزیزانِ گرامی!

میں پہلے بھی پڑھ چکا ہوں کہ لوہے کی تلوار بھی چلی ہے تو انسانی حقوق کے تحفظ کی خاطر چلی ہے۔ اسی بی بی صفیہؓ کا بھائی مرحب جب حضرت علیؑ سے لڑنے آیا تھا تلوار لے کر اور دوسرے اسلحے لگا کر۔ تو مولا علیؑ نے جھپٹ کے اس پر وار نہیں کر دیا بلکہ اس کے سامنے اسلام پیش کیا۔

اس نے کہا: یہ تو نہیں ہوگا، اسلام قبول نہیں کروں گا۔

دوسری مرتبہ اس کے سامنے صلح کی پیشکش کی کہ نہ تم ہم سے لڑو نہ ہم تم سے لڑیں، وہی بات جو قرآن نے کہی ہے:

لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ (سورۂ کافرون: آیت ۶)

"تم اپنے دین پر رہو ہم اپنے دین پر رہیں"۔

اس نے کہا: یہ بھی نہیں ہوگا۔ اب جب میں لڑنے آ گیا ہوں تو واپس نہیں جاؤں گا۔ لڑوں گا ضرور۔

اب تو لڑائی ہو گئی نا ــــ!

تاریخ بتاتی ہے کہ اس کی دایہ نے یا اس کی ماں نے اس کے بچپن میں خواب دیکھا تھا کہ شیر نے اس کو پھاڑ ڈالا ہے۔ جس عورت کو اس نے خواب بتایا تھا وہ عورت کاہنہ تھی۔

اس عورت نے کہا: دیکھو! حیدر نام کے آدمی سے نہ لڑنا، نہیں تو مارا جائے گا۔ ساری دنیا میں علیؑ مشہور تھے اور خیبر میں بھی یہی شور تھا کہ علیؑ لڑنے آئے ہیں۔

دایہ نے کہا تھا: حیدر نام والے آدمی سے نہ لڑنا۔

لڑنے جو آیا ہے اس کا نام علیؑ ہے تو اب لڑائی میں کوئی ڈر تو نہیں ہے۔

ارے!

کیا کہنے میرے مولا علیؑ کی شرافت کے کہ تلوار نکالنے سے پہلے اپنا نام بتا دیا:

اَنَا الَّذِیْ سَمَّتْنِیْ اُمِّیْ حَیْدَرًا

"میں وہ ہوں جس کی ماں نے اس کا نام حیدر رکھا ہے"۔

سنا دیا کہ میں حیدر ہوں یہ سمجھ کے لڑنا۔

بہر حال!

مرحب یہودی تھا مگر بہادر تھا۔ میدان سے نہ بھاگا۔ اس کی بہادری اس کی جان پر کھیل گئی۔ وہ حیدر سے لڑ گیا۔ اب وہ لوگ ہماری سمجھ میں نہیں آتے جو نعرۂ حیدری سے بھڑکنے لگتے ہیں ــــ (نعرۂ حیدری)

دیکھیے!

جو انسانی ضروریات ہیں وہ میں پہلے پڑھ چکا جو Nature ہے اس پر

پابندی نہیں لگ سکتی۔ جو فطرت ہے وہ پابند نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا کھانا سب کے لیے ہوگا، کھائیں گے سب، اس کے اندر فرق نہیں رہے گا کہ کون کس مذہب کا ہے یا کوئی کس خاندان کا ہے۔ پانی سب پئیں گے، اس کے اندر رنگ، نسل، خاندان کا فرق نہیں رہے گا۔ لباس سب کے لیے چاہیے، گھر سب کے لیے چاہیے، دوا سب کے لیے چاہیے۔

سوچئے کیا کیا اسلام نے کیا ہے؟

میں نے صرف جھلکیاں دکھائی ہیں۔ یہ رسولؐ خدا کی حیاتِ طیبہ تھی جس کی جھلکیاں میں نے دکھائیں۔

اب آیئے مولا علیؑ کی حیاتِ طیبہ سنیے۔

انسانیت پر علیؑ کے احسانات!

صفین کی لڑائی بھی اسی دریائے فرات کے کنارے ہوئی ہے۔ یہ تاریخی اعتبار سے آپ سن لیجیے۔

یہی فرات کا دریا ہے جو اُدھر سے آیا اور بہتا ہے کربلا تک۔

مولا علیؑ کے لشکر سے پہلے شام کا لشکر پہنچ گیا تھا وہاں اور ان کی پرانی عادت پانی روکنے کی ہے۔ انھوں نے دریا پر پہرے بٹھا دیے۔ جب حضرت علیؑ کا لشکر پہنچا تو ظاہر ہے کہ لشکر تھا پورا تو اس کے ساتھ پانی بھی ہوگا لیکن جب پانی ختم ہو گیا تو مولا علیؑ کے لشکر والے پانی لینے دریا پر گئے تو اِن لوگوں نے پانی لینے سے روکا اور پانی لینے سے منع کیا۔ جب پانی لینے سے روکا تو مولا علیؑ کے لشکر والے مولا علیؑ کے پاس آئے اور انھوں نے آواز دی: اَلعَطَش، اَلعَطَش، اَلعَطَش۔

مولا علیؑ خیمے سے باہر آئے اور فرمایا: کیا بات ہے؟

عرض کیا: مولا! دشمن کے لشکر نے دریا پر قبضہ کرلیا ہے، دریا سے پانی نہیں بھرنے دیتے۔

مولا علیؑ نے ایک جملہ فرمایا: گھاٹ چھین لو۔

یہ فرما کر خیمے کے اندر تشریف لے گئے۔

تاریخ کہتی ہے کہ مولا علیؑ کے اس حکم کے بعد امام حسنؑ فوج کا ایک چھوٹا سا دستہ لیے ہوئے گھاٹ کی طرف بڑھے اور گھاٹ پر قبضہ کرلیا۔ ابھی قبضہ کیا ہی تھا کہ مولا علیؑ کے لشکر کے سالار مالک اشترؓ کے خیمے میں یہ خبر پہنچی کہ مولا علیؑ نے حکم دے دیا ہے کہ گھاٹ چھین لو اور امام حسنؑ چلے گئے تو تاریخ لکھتی ہے کہ جناب مالک ابن اشترؓ بہت گھبرائے کہ انھوں نے گھوڑے کی پیٹھ پر کاٹھی بھی نہیں رکھی جو عموماً رکھی جاتی ہے اور گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر بیٹھ کر دوڑے۔ جب وہاں پہنچے تو امام حسنؑ دریا پر قبضہ کر چکے تھے۔

مالک ابن اشترؓ نے ہاتھ جوڑے اور کہا: فرزندِ رسولؐ! ہم کاہے کے لیے ہیں۔ آپؑ کیوں چلے آئے، آپؑ واپس جائیے۔ اللہ نہ کرے اگر آپ کو کوئی زخم آجاتا تو ہم منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے، ہم ذلیل ہوجاتے دُنیا میں۔ آپؑ سے کس نے کہہ دیا تھا آنے کے لیے۔

جنابِ مالک ابن اشترؓ نے امام حسنؑ کو ہاتھ جوڑ کے واپس کیا، اپنی فوجوں کا انتظام کیا۔ دشمن کو خبر ہوئی کہ گھاٹ چھن گیا ہے، اب ہم کیا کریں؟

اُن کا سردار بالکل نہیں گھبرایا۔ اس نے یہ نہیں کہا کہ جا کر چھین لو، اس لیے کہ وہ مزاجِ ساقیٔ کوثر جانتا تھا۔۔۔ (نعرۂ حیدری)

جنابِ مالک ابن اشترؓ ایک فوجی سردار تھے اور علی علیؑ تھے۔

تو دشمن گھبرایا نہیں، نہ نروس ہوا، اس نے چالیس پچاس آدمیوں کو بلایا اور کہا: علیؑ کے خیمے تک چلے جاؤ اور وہاں جا کر چلاؤ۔ جب علیؑ باہر آئیں تو کہنا کہ آپ کا لشکر پانی نہیں دیتا، وہ پانی کھلوا دیں گے۔

تجویز کامیاب ہوئی، اُن لوگوں نے جا کر چیخنا شروع کیا۔ علیؑ خیمے سے نکلے، فرمایا: کیا ہوا ہے، گھاٹ تو تم چھین چکے ہو۔

کہا: ہم آپ کے فوجی نہیں، دشمن کے فوجی ہیں۔

فرمایا: کیا ہوا تمھارے ساتھ؟

کہا: آپ کے لشکر والے پانی لینے نہیں دے رہے ہیں۔

مولا علیؑ نے حکم بھیج دیا کہ گھاٹ کسی ایک کا نہیں رہے گا۔ گھاٹ سے ہر کوئی پانی لے گا۔

دیکھیے!

یہ ہے انسانی حقوق کا تحفظ۔

فرمایا: پانی بند نہیں ہوگا۔

عزیزانِ گرامی!

اسی واسطے کی میراث تھی جو حُرؑ کو پانی پلایا جا رہا ہے۔

اب آیئے!

کھانا کھلانا۔ اتنا کھلایا، اتنا کھلایا، انسانوں کو کھانا اس گھر والوں نے کہ خود فاقے کر کے کھلایا۔ خود جَو کی روٹیاں کھا کے کھلایا، خود پیٹ پر پتھر باندھ کر کھلایا۔ اتنا کھلایا، اتنا کھلایا کہ قرآن بول اُٹھا:

يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝۸

"یہ اللہ کی محبت میں کھلاتے ہیں مسکین کو، یتیم کو اور اسیر کو"۔ (سورۂ دھر، آیت ۸)

قرآن نے کہیں یہ ان کا مذہب واضح نہیں کیا کہ مسکین کس مذہب کا تھا، یتیم کون تھا، اسیر کون تھا — معلوم ہوا کہ انسانیت کو کھلا رہے تھے قرآن میں آیت آرہی تھی — (نعرۂ حیدری)

عزیزانِ گرامی!

جو واقعات ہم فضائل میں بیان کرتے ہیں اُن کو اس طرح سے بھی دیکھیے کہ ان کے اندر انسان دوستی چھپی ہوئی ہے۔ انسان کی عزتِ نفس جو اللہ نے انسان کے اندر خلق فرمائی، یہ کوئی مسلمانوں کا خاصہ نہیں ہے۔ یہ کسی ملک کا خاصہ نہیں ہے۔ آپ اگر کسی غریب اور مفلس آدمی کو دھتکار دیجیے تو اس کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ ہر انسان انسان ہے اور اس کے نفس کی ایک عزت ہے۔ اس کی عزت کو پامال نہ کیجیے، چاہے وہ آپ سے بدلہ نہ لے سکے یا وہ آپ کو چیلنج نہ دے سکے مگر انسانیت تڑپ جائے گی۔

عزیزانِ گرامی!

اہلِ بیتؑ کے گھرانے میں عزتِ نفس کا اتنا خیال رکھا گیا ہے کہ گھر میں آئی ہوئی کنیز اتنی محترم ہو جائے کہ ایک دن وہ خدمت کرے اور جنابِ سیّدہ آرام کریں اور ایک دن جنابِ سیّدہ گھر کا کام کریں اور وہ آرام کرے۔ یہ واقعہ مجلسوں میں تو پڑھا جاتا ہے مگر فضائلِ معصومہؑ میں پڑھا جاتا ہے۔ لیکن اس کو انسانیت سے جوڑ کر دیکھیے کہ دُنیا میں غلام کو جب جانور سے بدتر سمجھتے تھے انسانیت کی اس سے زیادہ عزت افزائی اور کیا ہوگی۔

دیکھیے!

غلام کے ذہن میں یہ احساس نہ پیدا ہو کہ وہ ایک غلام ہے۔ آپ بہت بڑے سیٹھ ہیں، آپ کی فیکٹری میں۔ آپ کے کارخانے میں ہزاروں آدمی کام کرتے ہوں گے۔ آپ کسی آدمی سے کہہ دیجیے کہ یہ ہمارا نوکر ہے۔ وہ ہے آپ کا نوکر مگر اس کے دل کو تکلیف پہنچے گی۔ ہے تو ضرور آپ کا نوکر لیکن چار عزت دار آدمی بیٹھے ہوئے ہیں آپ کے پاس اور آپ کہتے نہیں تھکتے کہ ہاں یہ ہے ہمارا نوکر۔ وہ کیا کرے گا آپ کا۔ نوکری چھوڑ کر فاقے تھوڑی کرے گا لیکن اگر آپ اسی جملے کو بدل کر کہہ دیں کہ یہ بھی ہماری کمپنی میں کام کرتے ہیں۔

دیکھیے!

بات وہی ہے، سب جانتے ہیں کہ آپ مالک ہیں لیکن یہ بار بار اعلان کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ تو اگر آپ یہ کہہ دیں کہ یہ بھی ہماری کمپنی میں کام کرتے ہیں۔ تو بات وہی ہے۔ کہنے کا انداز الگ ہے۔

آپ غور فرمائیے اس بات پر!

انسان کی عزتِ نفس اتنی اہم ہے کہ اسلام نے ہر مقام پر انسان کی عزت کی ہے۔ آپ لوگوں کو سمجھایئے کہ اسلام نے کتنے باریک گوشوں پر روشنی ڈالی ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ ہم مسلمان آپس میں لڑنے سے ہی فرصت نہیں پاتے۔ ہم ان چیزوں پر غور ہی نہیں کرتے۔ یہاں تو آستینیں اُلٹی ہوئی ہیں۔ دشمنِ حیدرِ کرّار چین لینے دے تو بات سمجھ میں آئے۔

توجہ دیجیے!

مولا علیؑ کا کرتہ بہت بوسیدہ ہو گیا۔ پہلا مسئلہ تو خریداری کا اُٹھا۔ تین چار آدمی

ساتھ میں ہیں۔ مولا علیؑ کرتہ لینے گئے ہیں۔ ایک دکان سے دوسری دکان، دوسری دکان سے تیسری دکان، تیسری سے چوتھی دکان ـــــ کرتہ نہیں لیتے ہیں کرتہ دیکھتے ہیں واپس آجاتے ہیں اور آگے بڑھ جاتے ہیں۔ آخر میں لوگ تھک گئے۔

بھئی!

ایک کرتہ ہی تو لینا ہے۔

آخر میں کسی نے پوچھ ہی لیا: مولا! آپؑ اتنی دکانیں دیکھ رہے ہیں کیا بات ہے آپؑ کرتہ کیوں نہیں لے رہے؟

فرمایا: تم سمجھے ہی نہیں کہ میں کیا ڈھونڈ رہا ہوں۔

کہا: کیا ڈھونڈ رہے ہیں؟

فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ کوئی ایسا دکاندار ملے جو مجھے پہچانتا ہی نہ ہوتا کہ وہ میرے عہدے کی وجہ سے بے جا رعایت نہ کردے۔

آخرکار ایک دکاندار مل گیا جس کی گفتگو نے بتا دیا کہ وہ پہچانتا نہیں۔ اس سے دو کرتے خریدے۔ ایک اچھا تھا، عمدہ تھا اور مہنگا تھا جبکہ دوسرا ہلکا تھا اور سستا تھا۔

آپؑ دونوں کرتے لے کر دکان سے باہر آئے۔ اب آپؑ نے ایسا کیا کہ جو ہلکا والا تھا اور سستا تھا وہ اپنے کندھے پر ڈال لیا اور کہا کہ یہ ہم پہنیں گے اور جو کرتہ اچھا تھا، عمدہ تھا اور قیمتی تھا وہ دے دیا غلام کو ـــــ جنابِ قنبرؓ کو دے دیا کہ بھئی یہ تم پہنو۔

اب دیکھیے!

یہ فضائل ہیں، آپ کا سنا ہوا واقعہ ہے مگر جس طرح میں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں اس طرح سے سمجھنے کی کوشش کریں۔

پھر حیرت ہوئی لوگوں کو اور کہا: یا علیؑ! کرتہ بدل گیا ہے۔ آپؑ نے اپنا والا اس کو دے دیا اور اس کا والا خود رکھ لیا۔

فرمایا: بدلا نہیں ہے، میں نے سمجھ بوجھ کے دیا ہے یہ کرتہ۔

کہا: تعجب ہے آپ نے ہلکا والا خود رکھ لیا اور عمدہ والا غلام کو دے دیا۔

ہم جیسا کوئی ہوتا تو کہتا کہ ہم غلام کو اچھا پہناتے ہیں اور اچھا کھلاتے ہیں۔ کرتہ تو غلام پہن لیتا لیکن جب وہ کرتہ پہنتا اس وقت تک احساسِ غلامی رہتا غلام کو، احساسِ غلامی ستاتا رہتا کہ یہ عمدہ کرتہ میرے آقا نے مجھ کو اس لیے دیا ہے کہ میں غلام ہوں لیکن قربان جائیے مولا علیؑ کے کہ عجب جملہ کہا۔

مسکرانے لگے، فرمایا: ارے بھئی! میں بوڑھا آدمی ہوں، کچھ بھی پہن لوں لیکن یہ جوان ہے، اس کے پہننے کے دن ہیں۔

دیکھا آپ نے!

یہ ہیں علیؑ ـــ انسانیت کے حقوق کو اُوپر اُٹھانے والے، انسانیت کو فروغ دینے والے، انسانیت کی عظمت کو بلند کرنے والے۔ پہچانئے علیؑ کو کہ علیؑ کس انسان کا نام ہے۔ غریبوں کے دروازے پر جا کر کھانا پہنچا رہے ہیں۔ یتیموں کی مدد کر رہے ہیں اور انسانیت کی بنیاد کے اُوپر فیصلے کرتے ہیں۔

عزیزانِ گرامی!

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم لوگ وہ چیزیں دنیا والوں کے سامنے لائیں اور پڑھے لکھے لوگوں کو، دانشوروں کو متوجہ کریں۔

مولا علیؑ نے پورا دستورِ حکومت بنا کر دیا تھا جنابِ مالک اشترؓ کو، جو نہج البلاغہ میں خط کی شکل میں آج بھی موجود ہے۔ جس کا دل چاہے دیکھ لے۔ ہر گھر میں موجود

ہونی چاہیے۔ نہج البلاغہ بہت اہم کتاب ہے۔ اس کا ترجمہ بھی کئی زبانوں میں ہو چکا ہے۔ اس میں موجود ایک خط میں مولا علیؑ نے پورا دستورِ حکومت دیا ہے وہ پورا دستورِ حکومت مجھے نہیں سنانا ہے اس وقت۔ اس خط میں سوسائٹی کے اندر جتنے طبقے ہیں ہر ایک کے لیے وصیت فرمائی کہ ان کا یہ خیال رکھنا، اُن کا اس طرح خیال رکھنا ہر ایک کے لیے فرمایا اس خط کو پڑھیے۔

مجھے اس میں سے صرف ایک جملہ سنانا ہے، جو میرے موضوع کے اندر آتا ہے انسانیت کے موضوع پر۔

مولا علیؑ نے جنابِ مالک ابن اشترؓ کو خط لکھتے وقت یہ لکھا ہے کہ مالکؓ میں تمھیں ایسے علاقے میں بھیج رہا ہوں جہاں تمھیں دو طرح کے لوگ ملیں گے۔

ایک ــــ!

اَخٌ لَكَ فِي الدِّيْنِ

"ایک وہ ہوں گے جو تمھارے مذہبی بھائی ہوں گے"۔

یعنی مسلمان۔

دوسرے ــــ!

شَبِيْهٌ لَكَ فِي الْخَلْقِ

"جو صورت اور شکل تمھارے جیسے ہوں گے"۔

عزیزانِ گرامی!

یعنی جیسے تم انسان ہو، ویسے وہ بھی انسان ہوں گے۔

لہٰذا جو تمھارے مذہبی بھائی ہوں گے ان کا خیال مذہب کی بنیاد پر رکھنا اور جو صورت و شکل میں تمھارے جیسے ہوں گے ان کا خیال انسانیت کی بنیاد پر رکھنا۔

عزیزانِ گرامی!

یہ مولا علیؑ کا ارشاد آج بھی چمک رہا ہے تاریخ کے اندر لیکن یہ اور بات ہے کہ ہم ان ارشادات کو بھلائے بیٹھے ہیں اور ہم نے اس سے پورا فائدہ نہیں اُٹھایا۔

اب پھر میں چلتے چلتے کل کے لیے آپ کو عنوان دے کر جا رہا ہوں۔ آج وقت تمام ہوا لیکن کل کے لیے میں عنوان دے رہا ہوں آپ کو۔

جن حالات سے اسلام گزر رہا ہے اور جن حالات کا اُمتِ مسلمہ شکار ہے اور جو صورت اس وقت عالم کی ہے اس کے پیش نظر علمائے اسلام کا بھی یہ فریضہ بنتا ہے اور اسلامی دانشوروں کا بھی یہ فریضہ بنتا ہے اور اسلامی اسکالرز کا بھی یہ فریضہ بنتا ہے کہ وہ اپنی تصویر دوسروں کے سامنے صاف کریں۔ وہ ہر چیز کو یہ کہہ کر نہ ٹال دیں کہ مسلمانوں کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔

کیا ہر چیز حکومت کی ذمہ داری ہے، ہماری کوئی ذمہ داری نہیں ہے؟

ہمارے محلے گندگی کا شکار ہیں، ہم میں اتنا شعور نہیں ہے کہ اپنے محلوں کو صاف رکھیں؟

سرکاری عملہ آئے تو صاف کرے۔ ہم دروازے پر ہی کوڑا ڈالیں گے جبکہ ہمارا مذہب کہتا ہے کہ صفائی جو ہے وہ آدھا ایمان ہے۔

دیکھیے!

معاف کیجیے گا یہ کڑوی باتیں ہیں، بری بھی لگتی ہیں۔ کیا ہم اپنے مسائل کو اپنی شرعی عدالتوں میں اپنے فقہی طریقوں سے نہیں کر سکتے جو طلاق کے مسائل یا کوئی اور مسئلے لے کر کورٹوں میں جاتے ہیں۔ آپ کا قانونِ شرع تو موجود ہے، ہر مسلک کے علماء موجود ہیں فیصلے دینے کے لیے۔

دیکھیے!

جو بھی ہیں آپ، اپنے عالم سے جا کر پوچھیے، اُس عالم کے فیصلے پر عمل کیجیے۔ پہلی غلطی تو آپ ہی کرتے ہیں بجائے اس کے کہ مسئلے کو سلجھانے کے لیے اپنے عالم کے پاس جائیں آپ سیدھے عدالت چلے جاتے ہیں۔ عدالت جب فیصلہ کرتی ہے تو آپ روتے ہیں کہ سول کورٹ میں مداخلت ہو رہی ہے، حکومت ہمیں جینے نہیں دے رہی۔

ارے بھئی!

آپ خود ہی جینا نہیں چاہتے۔

سوال یہ ہے کہ کیا آپ کی فقہ کیا نامکمل ہے جو آپ عدالت میں جاتے ہیں؟ یا تو یہ ہی فیصلہ کر دیجیے کہ دینِ رسولؐ نامکمل ہے (معاذ اللہ) اور کورٹ مکمل ہے لہٰذا وہاں جاتے ہیں اور اگر مکمل ہے تو آپ کو اس پر بھروسہ نہیں۔

عزیزانِ گرامی!

ہم جو کریں وہ ٹھیک ہے اور دوسرا کرے وہ غلط ہے۔ یہ کون سی عادت ڈال دی ہے۔ یہ بچوں والی عادت کہاں تک چلے گی کہ مٹھائی بھی دو تب بھی رو رہا ہے، بہلاؤ تب بھی رو رہا ہے، سڑک پر لے جاؤ گھمانے تب بھی رو رہا ہے، وہ راضی ہی نہیں ہے۔ تو ڈاکٹر کہتے ہیں کہ یہ اندر سے بیمار ہے۔ یہ جو رویا کرتا ہے یہ مٹھائی وغیرہ کے لیے نہیں روتا، یہ بہانے بناتا ہے، یہ اندر سے بیمار ہے، اس کا علاج کرایئے باقاعدہ، جب ٹھیک ہو جائے گا تو نہیں رویا کرے گا۔

بس عزیزانِ گرامی!

یہ دشمنیٔ اہلِ بیتؑ کی بیماری ایسی لگ گئی ہے کہ جاتی ہی نہیں ہے۔ آج ہماری

یہ حالت ہے ہم کیا بتائیں آپ سے۔ہاں بھی اتفاق نہیں ہے، پھوٹ پڑی ہوئی ہے۔ مسلمان ایک تو ہوں، ایک ہی نہیں ہیں۔

عزیزانِ گرامی!

کل میں آپ کو مسلمانوں کے ایک ہونے کا فارمولا سناؤں گا اگر زندہ رہا تو کہ مسلمان کیسے ایک ہو سکتے ہیں۔

ٹھیک ہے کہ اقبال نے کہا تھا:

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز

بھئی!

جب نماز تمام ہو گئی تو محمود محمود رہا اور ایاز ایاز ہے۔

ذکرِ مصائب (تذکرہ جنابِ جونؓ)

عزیزانِ گرامی!

اتحاد کا منظر دیکھنا ہے تو کربلا میں دیکھیے جہاں امام حسینؑ جنابِ جونؓ کے لاشے پہ بیٹھے رو رہے ہیں۔ جونؓ غلام تھے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کے غلام تھے۔ جب جنابِ ابوذرؓ دنیا سے چلے گئے تو جونؓ اسی در پر آ گئے اور ہمیشہ یہیں رہے۔

عاشور کی رات بھی امام حسینؑ نے ان سے کہا تھا: تم چلے جاؤ۔

کہا: مولا! زندگی بھر تو آپؑ کے ہاں پلے ہیں، اس وقت آپؑ کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ خدا کرے ہمیں صحرائی درندے کھا جائیں اگر ہم چلے جائیں۔

جب عاشورہ کے دن اجازت لینے آئے تو پھر امام حسینؑ نے منع کیا: جونؓ! تم تو ہمارے ہاں آرام کرنے آئے تھے، جان دینے تھوڑی آئے تھے۔

اجازت لینے کا طریقہ بھی عجب تھا۔

کہا: مولاؑ! میں سمجھ گیا ہوں کہ مجھے اجازت کیوں نہیں مل رہی ہے۔ میرا رنگ کالا ہے نا، میرا خاندان غیر مشہور ہے اور میں غلام ہوں۔

فرمایا: جونؓ! ایسی کوئی بات نہیں۔ اجازت دے دی۔

عزادارو!

جنابِ جونؓ چلے گئے اور چوتھے امامؑ کی روایت ہے کہ جب میں لاشوں کو دفن کرنے کے لیے آیا تو جونؓ کی میت سے خوشبو اُٹھ رہی تھی۔ مشک و عنبر سے بہتر خوشبو آرہی تھی۔

امام حسینؑ جہاں حبیبؓ کی میت پر گئے، زہیرؓ کی میت پر گئے، مسلمؓ ابن عوسجہ کی میت پر گئے وہی جونؓ کی میت پر بھی گئے۔

ہماری جانیں نثار ہوں اس آقاؑ پر جو صبح سے شام تک لاشیں اُٹھاتے رہے، کبھی لاش اُٹھائی، کبھی رو دیے، کبھی دوستوں کے لاشے اُٹھائے، کبھی عزیزوں کے لاشے اُٹھائے، کبھی دل کے ٹکڑوں کے لاشے اُٹھائے، کربلا میں ستر لاشے اُٹھائے۔ بس دو لاشے نہیں اُٹھے: ایک علَم دارؑ کا لاشہ نہیں اُٹھا، ایک سردارؑ کا لاشہ نہیں اُٹھا۔ علَم دارؑ کا لاشہ نہر پر رہا، سردار کا لاشہ نشیب میں رہا۔

شامِ غریباں میں زینبؑ گئیں: ارے بھیا! کہاں آرام کر رہے ہو۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ○

مجلسِ ہفتم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ارشادِ رب العزت ہے:

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

”عصر کی قسم! تمام انسان گھاٹے میں ہیں سوائے ان کے جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے اور وہ لوگ جو ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے ہیں اور وہ جو ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرتے ہیں“۔ (سورۂ عصر)

عزیزانِ محترم!

سلسلۂ کلام ذہن عالی میں ہوگا۔

ہمارے آپ کے درمیان ”انسانیت“ کے موضوع پر گفتگو ہے اور بات اِدھر گھوم رہی ہے کہ اسلام مذہب انسانیت ہے لیکن بدنصیبی کی بات یہ ہے کہ اس مذہب کی تصویر کو دُنیا نے اتنا بگاڑ دیا ہے کہ اب یہ صحیح صورت سمجھ میں نہیں آ رہی۔ جب ہر چیز کے لیے تحقیق ہو رہی ہے اور ہر جگہ سچائی ڈھونڈی جا رہی ہے اور مرض کی جڑ تلاش کی جا رہی ہے اور مسئلے کا حل ڈھونڈا جا رہا ہے تو کیا ہمارا یہ مطالبہ غلط ہے کہ اسلام کے چہرے پر جو دشمنانِ اسلام نے گرد ڈال دی ہے تحقیق کے پانی سے دھوکر

اس کا دوسرا چہرہ دکھایا جائے جو اصل ہے اور جو اتنا حسین ہے کہ جو دیکھے وہ اس کا گرویدہ ہو جائے۔ یہ کوئی بری بات ہے یا کوئی خراب بات ہے یا کوئی جھگڑے کی بات ہے یہ؟

سوچنے کے قابل ہے یہ بات!

عزیزانِ محترم!

سارے مسلمانوں کو، میں کسی ایک فرقے کی بات نہیں کرتا، ایک نظریے کی بات نہیں کرتا، ایک جگہ کے مسلمانوں کی بات نہیں کرتا۔ اس پوری دھرتی کے اُوپر جتنے بھی وہ لوگ آباد ہیں جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں چاہے وہ کسی مسلک اور نظریے کے ہوں اس میں بحث نہیں ہے۔ کیا یہ ان کا فریضہ نہیں ہے کہ اپنے پیارے مذہب کی حقیقت دنیا کو بتائیں اور سچی تصویر دنیا کے سامنے پیش کریں اور مل جل کر یہ کوشش کریں کہ دشمنانِ اسلام جو الزام اسلام پر لگاتے ہیں وہ دھبے بھی دھو دیئے جائیں اور جو مسلمانوں نے اپنی غلطیوں سے اسلام پر جو دھبے لگائے ہیں وہ دھو دیئے جائیں۔

آج مجھے جو کچھ عرض کرنا ہے وہ میں کل اعلان کر چکا ہوں۔ آج میں چاہتا ہوں کہ کچھ ایسی باتیں کہہ کر جاؤں۔ اب اس کو مانیں یا نہ مانیں، یہ دنیا کا کام ہے لیکن میرا فرض یہ ہے کہ میں یہ کہہ کر جاؤں کہ بھئی مسلمان متحد ہو کر اگر خدمتِ اسلام کریں تو یہ اسلام کا بھی فائدہ ہوگا، انسانیت کا بھی فائدہ ہوگا اور دنیا کا بھی فائدہ ہوگا۔ اس سے نقصان کسی کا نہیں ہوگا۔ دنیا میں جو دوسرے بسنے والے ہیں وہ بھی فائدہ اُٹھائیں گے جو مسلمان ہیں وہ بھی فائدہ اُٹھائیں گے۔ ہر ایک کے لیے فائدہ مند ہوگا، نقصان کسی کے لیے نہیں ہوگا۔

یہ ایک پورے عشرے کا Subject ہے کہ دشمنانِ اسلام نے اسلام پر کیا کیا الزام لگائے؟ یہودیوں نے کیا کیا کوششیں کیں اور کیا کیا سازشیں کیں۔ یہ Chapter الگ ہے، عیسائیوں نے کیا کیا سازشیں کیں، یہ Chapter الگ ہے۔ ماضی میں کیا ہوا؟ پہلے پرانے زمانے میں وہ الگ موضوع ہے۔ آج کے زمانے میں کیا ہو رہا ہے یہ الگ موضوع ہے۔ لیکن ہمیں ابھی آپس میں بات کر لینا ہے۔ بعد میں جب ہم آپس میں ایک ہو جائیں تو پھر آگے بڑھ کر دوسرے سے بات کریں ورنہ ابھی اگر ہم دوسرے سے بات کریں گے تو وہ بھی پلٹ کے جواب دیں گے کہ تم آپس میں تو ایک ہو نہیں سکتے۔ ہم سے بات کرنے آئے ہو۔ تو پہلے آپس میں اتحاد پیدا کر لو۔ اس کے بعد پھر ہم سے بات کرنا۔ تم تو خود ہی لڑ رہے ہو۔ ہم سے کیا بات کرتے ہو۔ تو پہلے ہم آپس میں اتحاد پیدا کر لیں۔ اس کے بعد اختلاف کی بات آگے جا کر دیکھیں گے اور کوشش کریں گے جو غلط فہمیاں جو کچھ بھی ہیں اگر دُور ہو جائیں یا کم ہو جائیں تو اچھا ہے۔

عزیزانِ گرامی!

پہلی بات یہ ہے کہ ہم نے جو کچھ کیا ہے انسانیت کے خلاف مسلمان ہوتے ہوئے۔

دیکھیے!

میں اپنا قار مولا ابھی پیش کروں گا مگر دو منٹ اس کو سن لیجیے۔

ہم نے خود اسلام جو انسانیت کا مذہب تھا اس پر خود کتنی ضربیں لگائی ہیں اور کتنا اس کو نقصان پہنچایا ہے۔

اسلام میں طبقاتی نظام نہیں ہے۔

دیکھیے!

طبقاتی نظام کسے کہتے ہیں؟

یہ اُونچے ہیں، یہ نیچے ہیں، یہ چھوٹے لوگ ہیں، یہ بڑے لوگ ہیں، یہ سیّد ہیں، یہ غیر سیّد ہیں، یہ مغل ہیں، یہ شیخ ہیں، یہ پٹھان ہیں، یہ جولاہے ہیں، یہ دھوبی ہیں، یہ نائی ہیں، یہ قصائی ہیں، یہ کباڑیے ہیں، یہ لوہار ہیں، یہ گندگی اُٹھاتے ہیں، یہ جھاڑو دیتے ہیں۔ اسلام میں یہ نظام نہیں ہے۔ اسلام نے انسانیت کی بنیاد پر انسان کی عزت رکھی ہے۔ رسولؐ کی محفل میں سب کو برابر سے جگہ ملی۔ اس کے اندر کوئی فرق نہیں تھا کہ تم کیا کرتے ہو۔ تمھارا پیشہ کیا ہے، تمھارا کام کیا ہے۔ یہ ہم نے مختلف ملکوں کے جو کلچر تھے اس سے اثر لے کر اسلام کو بھی طبقات میں بانٹ دیا ہے۔

مسجد ہر ایک کے لیے ہے، کعبہ ہر ایک کے لیے ہے، امام بارگاہ ہر ایک کے لیے ہے۔ کسی کے لیے کوئی علیحدہ جگہ نہیں ہے کہ یہاں وہ آئے گا یہ نہیں آئے اور یہاں یہ آئے گا وہ نہیں آئے گا۔ یہ اللہ کا دَر ہے، ہر ایک کے لیے کھلا ہے۔ اسلام میں ایسا کچھ نہیں ہے کہ کون آدمی کہاں جائے گا۔ کون آدمی کہاں نہیں جائے گا بلکہ سب آدمیوں کے لیے دروازے کھلے ہیں انسانیت کے نام پر لیکن ہم نے اسلام کو طبقات میں بانٹ دیا ہے، ٹکڑوں میں بانٹ دیا ہے، اُن کی شادی یہاں کیسے ہو جائے گی۔ اِن کا رشتہ اِدھر کیسے ہو جائے گا۔ یہ دماغ آ گیا — یہ اسلام نہیں ہے۔

اور آگے آیئے!

دولت کی تقسیم، جس کے لیے قرآن مجید صاف صاف کہہ رہا ہے کہ ہم نے میراث کو اس لیے فرض کیا ہے کہ دولت کسی ایک کے پاس جمع نہ ہو جائے، لیکن آج سے نہیں، ہزاروں سال سے مسلمان بادشاہوں نے جو دولت کی تقسیم کا انتظام بنایا وہ

سراسر خلافِ اسلام تھا۔ اسلام کہتا ہے کہ اگر ایک مال دار باپ مرا ہے تو اس کے چاروں بیٹوں میں برابر سے دولت تقسیم ہوگی لیکن اگر جاگیر دار مرا ہے، نواب مرا ہے، بادشاہ مرا ہے تو بڑے بیٹے کو دولت جائے گی بقیہ گزارہ پہ جائیں گے۔ یہ غیر منقسم تقسیم جو ہے، غیر معتدل تقسیم جو ہے، یہ اسلام میں نہیں ہے، لیکن نہ کسی عالم نے زبان کھولی، نہ کسی مجتہد نے زبان کھولی، نہ کسی خطیب نے زبان کھولی۔ دولت بٹتی رہی، مبارکبادیں ہوتی رہیں۔ سرکار کو جھک جھک کر سلام ہوتے رہے۔ دولت ایک گھرانے میں محدود ہوتی رہی۔

عزیزانِ گرامی!

انصاف سے کبھی سوچیے کہ ماتمِ حسینؑ پر اعتراض ہوتا ہے، بادشاہوں کے اس عمل پر اعتراض کیوں نہیں ہوتا؟

اور بتاؤں آپ کو!

اسلام نے رسم و رواج کے بندھن توڑے ہیں اور ایسے قانون بنائے ہیں کہ جس میں غریبوں کو آرام پہنچے۔ ہم نے اپنے آپ کو رواج کے بندھنوں میں جکڑا ہے اور ایسے اصول بنا لیے ہیں جس سے غریب مر جائیں۔ شادی بیاہ کی رسموں کو اتنا بوجھل بنا دیا، اتنا مہنگا بنا دیا کہ غریب اپنی بیٹی کی شادی کے بارے میں سوچ ہی نہیں سکتا اس لیے کہ اس کے پاس تو کچھ ہے ہی نہیں، کہاں سے شادی کرے گا جبکہ اسلام وہ مذہب ہے جس نے انسانیت کے نام پر اگر بیٹی دی ہے اور اس کے پالنے کا حکم رکھا ہے تو اس کی شادی کا ایسا بندوبست کیا ہے کہ ایک بھی پیسہ خرچ کیے بغیر عزت سے بیٹی اپنے شوہر کے گھر پہنچ جائے۔

اب آپ کہیے؟ وکیل؟

تو دلیل میں آپ بادشاہوں کے گھر کی شادی نہ دیکھیے بلکہ رسولؐ کے گھر کی شادی دیکھیے، اس لیے کہ قرآن مجید نے اگر معیار بنایا ہے تو رسولؐ کو بنایا ہے، کسی ایک کو نہیں بنایا۔

تین لاکھ روپے ہال کی بکنگ کے ہوں گے، آٹھ لاکھ روپے ہوٹل کے ہوں گے، پچیس لاکھ روپے کی گاڑی ہوگی، ایک کروڑ سے اُوپر کا بجٹ ہے۔ یہ اسلامی شادی نہیں ہے۔ اسلامی شادی وہ تھی جو آپ کو معلوم ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ آپ کو خبر نہ ہو۔ معلوم سب ہے لیکن سیانے اتنے ہیں کہ بتاتے نہیں ہیں ــــ (نعرۂ حیدری)

جب حکمِ خدا سے مولا علیؑ اور جنابِ سیّدہؑ کی شادی طے ہوگئی تو سرکارؐ نے پوچھا: یا علیؑ! تمھارے پاس مالِ دُنیا میں سے کیا ہے؟

مولا علیؑ نے کہا: ایک گھوڑا، ایک زرہ ہے اور ایک تلوار ہے۔

تین چیزیں سامنے رکھ دیں: گھوڑا، زرہ اور تلوار۔

رسولِ خدا نے فرمایا: یا علیؑ! تلوار تو بہت ضروری ہے تمھارے لیے، اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہو، تلوار نہیں ہوگی تو کیسے لڑو گے۔ لہٰذا تلوار تم رکھو اپنے پاس اور گھوڑا بھی ضروری ہے اس لیے کہ دُور دُور جاتے ہو لڑنے کے لیے اللہ کی راہ میں، لہٰذا گھوڑا بھی ضروری ہے۔ اب یہ جو تم اپنے بدن کی حفاظت کے لیے زرہ پہنتے ہو یہ اتنی زیادہ اہم نہیں ہے۔ گھوڑا اور تلوار رہنے دو اپنے پاس لیکن یہ زرہ بیچ ڈالو۔ زرہ بیچ کر فاطمہؑ کے مہر کا انتظام کرو۔

توجہ ہے ؟!

خود ہی لڑائی پر لے جاتے ہیں، اب بیٹی بھی دے رہے ہیں اور زرہ بھی بکوا رہے ہیں۔

خیر!

مولا علیؑ زرہ کو بیچ آئے، جتنی رقم ملی وہ لے کر چلے آرہے ہیں۔ انھوں نے رقم گنی بھی نہیں۔

رسولِ خدا نے فرمایا: ٹھیک ہے یہی مہر فاطمہؑ ہے۔

اب اس کے بعد انھوں نے کیا کام کیا؟

جو لوگ وہاں پر بیٹھے ہوئے تھے مسجد میں صحابہ کرام، اُن کو مٹھی بھر اُٹھا کر پیسے دینا شروع کیے۔

کہا: تم کپڑے لے آؤ، تم اتنے میں بستر لے آؤ، تم اتنے میں زندگی کی ضرورت کا سامان لے آؤ۔

توجہ!

صحابہ کرام پیسے لے گئے اور جو کچھ رسولِ خدا نے فرمایا تھا وہ سب خرید لائے۔

اچھا!

وہ بھی اتنی ہوشیاری سے خرید کر لائے کہ کوئی پیسہ کم ہوا اور نہ انھوں نے آکر یہ کہا کہ اس میں دس روپے میں نے اپنی طرف سے لگائے لیکن ایسا نہ ہوا۔

فرمایا: بس! یہی فاطمہؑ کا جہیز ہے۔

یہ رسولِ خدا نے اپنی بیٹی کی شادی کی۔

تاریخ سے پوچھیے کہ اس شادی میں رسول اللہؐ کا اپنا کتنا پیسہ لگا؟

عزیزانِ گرامی!

اسلام میں یہ ہے شادی۔

ہم نے اسلام کے دامن کے اُوپر جو دھبے لگائے ہیں اپنے کردار سے، اپنے

بڑے عمل سے، دنیاوی رسم و رواج سے، اور دنیا والوں کے طور طریقوں سے، اس سے انسانیت کی روح مجروح ہے۔

عزیزانِ گرامی!

لکھ پتی، کروڑ پتی لوگ، مال دار لوگ جو ہیں ان کو پتہ نہیں لگتا ہے۔ مذہب غریبوں کے لیے آیا ہے۔ مذہب کمزوروں کے لیے آیا ہے، مذہب محتاجوں کے لیے آیا ہے اور مذہب اُن دردمندوں کے لیے آیا ہے جن کے دکھ درد کا کوئی علاج نہ ہو۔ مذہب دولت کے مظاہرے کے لیے نہیں آیا ہے۔ مذہب اقتدار کو ظاہر کرنے کے لیے نہیں آیا ہے۔ مذہب آپس میں لڑنے کے لیے نہیں آیا ہے، مذہب ایک دوسرے سے مارا ماری کرنے کے لیے نہیں آیا ہے۔

اب سنیے!

مسلمان، جو ٹکڑوں میں بٹے ہوئے ہیں اور جو منتشر ہیں وہ کیسے متحد ہو سکتے ہیں؟

بہت توجہ سے سنیے گا!

اتنا وقت جو پہلے میں نے اس تمہید میں صَرف کیا اس سے میرا مقصد یہ بھی تھا کہ مختلف لوگ آتے رہتے ہیں۔ سب آ کر ایک دفعہ بیٹھ جائیں۔ مجمع سیٹ ہو جائے پورا، یہ ضروری نہیں ہے کہ پورے نو بجے سب سیٹ ہو جائیں۔ جب سب ٹھیک سے بیٹھ جائیں تب میری بات شروع ہو اور مجھے یقین ہے کہ جہاں جہاں میری آواز سنی جا رہی ہے وہ میری بات کو غور سے سنیں گے۔

دیکھیے!

میرے پاس دو فارمولے ہیں۔ میں بڑے ادب سے، بڑے احترام سے،

بڑی عزت سے، بغیر کسی کو تکلیف پہنچائے ہوئے، مسلمانوں میں اتحاد کا پہلا فارمولا میرا یہ ہے کہ مسلمان، مسلمان ہونے کی بنیاد پر آپس میں میل جول سے رہیں، اچھے پڑوسیوں کی طرح رہیں، ایک دوسرے پر اعتراض نہ کریں، ایک دوسرے کو نقصان نہ پہنچائیں، ایک دوسرے کو تکلیف نہ دیں، ایک دوسرے کے جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت کریں، باقی جس کا جو نظریہ ہے وہ اپنے نظریے پر جیسے دل چاہتا ہے ویسے رہے لیکن دوسرے کے نظریے پر تنقید نہ کرے۔

آپ جو اچھا سمجھتے ہیں ٹھیک ہے آپ کیجیے، ہم جو اچھا سمجھتے ہیں وہ ہم کریں اور اسلام کی خدمت کے لیے ایک common ایجنڈا بنا لیجیے جس پر سب متحد ہوں۔ سب ایک ہوں کہ ہم خدا کے لیے یہ کریں گے تا کہ اللہ کی آواز دُنیا تک پہنچے، ہم رسولؐ کے لیے یہ کریں گے تا کہ رسولؐ کا پیغام دنیا تک پہنچے، ہم اسلام کی یوں خدمت انجام دیں گے تا کہ اسلام کے چہرے کا حُسن نمایاں ہو اور اس طریقے سے اتحاد و اتفاق کی زندگی گزاریے۔

دیکھیے!

ایک فارمولا تو یہ ہے اس میں، مَیں کیا کر رہا ہوں؟ آپ میرے گھر کو نہ جھانکیے۔ آپ کیا کر رہے ہیں؟ میں آپ کے گھر میں نہ جھانکوں۔ آپ کیسے نماز پڑھتے ہیں؟ آپ کا فعل ہے جیسے آپ کو صحیح لگے آپ پڑھیں۔ ہمیں تو کوئی تنقید نہیں کرنی کہ جو ہم کہیں کہ ایسی نماز ہم قبول نہیں کریں گے۔ ہم کیسی نماز پڑھتے ہیں؟ آپ کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ دونوں نمازیں اللہ تک جائیں گی۔ اب اللہ کو اختیار ہے دونوں قبول کرلے، دونوں Reject کردے، کوئی قبول کرے، کوئی نہ قبول کرے۔ یہ اُس کا معاملہ ہے۔ ہم بتا تو سکتے ہیں کہ نماز یہ ہے لیکن قبولیت جو ہے وہ

ہمارا کام نہیں ہے، اللہ کا کام ہے۔ لہٰذا ہم اگر مولوی ہیں تو مولوی کی حد تک رہیں اللہ نہ بن جائیں۔ اللہ بن کے فیصلہ نہ دیں ــــ (نعرۂ حیدری)

بس!

ہمیں اسی بات پر ذرا سا اعتراض ہوتا ہے۔

دیکھیے!

معاف کیجیے گا کہ بعض باتیں میں صاف صاف کہہ دیتا ہوں اس لیے بعض لوگ مجھ سے خفا بھی ہو جاتے ہیں مگر اب کیا کروں، طبیعت نہیں مانتی تو کہہ لیتا ہوں۔

سنیے!

اعمال ہوں یا عقائد ہوں، ان کا قبول کرنے والا یا نہ قبول کرنے والا اللہ ہے، لہٰذا یہ بہتر ہے کہ فیصلہ اسی پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ کیا کرے گا اور اس نے اپنے بندوں کو یہ حق دیا بھی نہیں ہے کہ تم فیصلہ دے دینا۔ تو ہمارے فیصلے کی اس کو ضرورت بھی نہیں ہے۔ اب ہماری نماز قبول ہے یا آپ کی نماز قبول ہے؟ یہ اللہ جانے۔

دیکھیے!

جو بھی دل چاہے بات کیجیے۔

لوگ کہتے ہیں کہ جھگڑا ہو جاتا ہے۔

نہیں!

جھگڑا نہیں ہوتا ــــ ہاں، جھگڑا اُس وقت ہوتا ہے جب چیزوں کو compare کیا جاتا ہے۔ آپ میری مجلس سنتے ہیں، سن کے چلے جاتے ہیں، کون سا جھگڑا ہے بھائی؟ کوئی کسی اور کی مجلس سنتا ہے وہ بھی سن کر چلا جاتا ہے۔ اس میں جھگڑا کا ہے کا ہے؟

بھئی!

جس کو جو اچھا لگتا ہے وہ سن کر چلا جاتا ہے، اپنی اپنی پسند کی بات ہے لیکن اگر آپ ایک کو دوسرے سے compare کیجیے گا تو ایک کے ماننے والے دوسرے سے جھگڑا کریں گے۔

توجہ!

آپ سنیے، بیٹھیے اور سن کر چلے جائیے لیکن یہ جو compare کرنے کا معاملہ ہے یہ چھوڑ دیجیے تو امن و امان قائم رہے گا۔

انھوں نے کہا کہ جی یہ کام آئے، یہ نہیں آئے گا، یہ آئے گا تو یہ کام نہیں آئے گا۔ اسی طریقہ سے مجھے اپنی قوم کے مولویوں سے بھی کہنا ہے کہ آپ بھی مولوی رہیے، اللہ نہ بن جائیے۔

اکثر لوگ کہہ دیا کرتے ہیں یہ مجلس کام نہیں آئے گی، یہ ماتم کام نہیں آئے گا، رونا کام نہیں آئے گا۔ میں کہوں گا تو پھر آپ کام آئیں گے؟۔۔۔ (نعرۂ حیدری)

میں نے ایک شہر میں ایک تقریر سنی جس میں یہی کچھ کہا جا رہا تھا کہ ماتم کام نہیں آئے گا، مجلس کام نہیں آئے گی، رونا کام نہیں آئے گا۔

خیر!

بزرگی کی وجہ سے میرا نمبر آخر میں لگنے لگا ہے۔

جب میں بولنے کے لیے کھڑا ہوا تو میں نے کہا: میں آج سے سب چھوڑے جا رہا ہوں۔ نماز، روزہ، حج، سب کام جو ہیں میں آج سے اب نہیں کروں گا، اس لیے جس اسٹیج پر امام حسینؑ کام نہ آئیں، یہ کیا کام آئیں گے؟ (نعرۂ حیدری)

اب حضور! توجہ سے سنیے!

یہ تو ایک فارمولا ہے اتحاد کا کہ سب لوگ مل جل کر اچھے شہریوں کی طرح رہیں اور ایک دوسرے سے جھگڑا اور فساد نہ کریں۔ مل جل کر اچھے شہریوں کی طرح زندگی گزاریں لیکن اس سے اگر کچھ زیادہ کی خواہش ہے تو اب آیئے detail میں۔

توجہ!

آج ہم گنتی کر کے نہیں بتا سکتے کہ اسلام میں کتنے ٹکڑے ہیں۔ بہت سے بڑے مشہور ہیں، بہت سے ایسے ہیں جن کے متعلق ہمیں معلومات نہ ہوں یا کم ہوں یا بالکل نہ ہوں۔

بہرحال!

پوری دنیا میں کون کون، کیسا کیسا ہے؟

یہ نہیں معلوم لیکن تین چار فرقوں کے نام تو ہر ایک کی زبان پر ہیں، ہر ایک جانتا ہے۔ یہ سب فرقے رسولؐ کی رحلت کے بعد بنے ہیں۔

دیکھیے!

یہ تو common sence کی بات ہے، آپ سمجھتے ہیں۔ تو یہ سب فرقے رسولؐ کی رحلت کے بعد بنے ہیں۔ جب سرکارؐ موجود تھے اور مسجد نبویؐ میں آپؐ کے صحابی اور سب لوگ جمع تھے اس وقت مسلمانوں میں کوئی فرقہ بندی نہیں تھی۔

نماز کیسے پڑھی جائے؟ یہ بحث نہیں تھی۔

روزہ کس وقت کھولا جائے؟ یہ جھگڑا نہیں تھا۔

حج کیسے کیا جائے؟ اس کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔

یا جو اور مسائل ہیں اسلامی میراث کے، نکاح کے، طلاق کے اور سینکڑوں مسائل۔ ان میں کوئی پریشانی نہیں تھی۔ سب لوگ ایک تھے۔ عقائد میں ایک تھے،

اعمال میں ایک تھے، نظریات میں ایک تھے۔ جب رسولؐ دنیا سے چلے گئے تو لوگ ٹکڑوں میں بٹنا شروع ہوئے۔ آج چودہ سو برس کے بعد وہ دیوار جو رسول اللہؐ کے زمانے میں ایک چٹان تھی، جس کے اندر کوئی دراڑ نہیں تھی، ایک ہلکا سا بھی نشان نہیں تھا آج اس میں جگہ جگہ سے دراڑیں دکھائی دے رہی ہیں۔

تو یہ اختلافات کیوں پیدا ہو گئے؟

جس سے جا کر پوچھا اس نے ایک ہی جواب دیا کہ جیسا ہمارے رہبر نے بتایا ویسا ہم کر رہے ہیں۔ ہم کو بتایا گیا کہ رسول اللہؐ کا طریقہ یہ ہے، ہم اس طریقے پر عمل کر رہے ہیں۔

ان سے پوچھا: بھئی تم کیا کر رہے ہو؟

انھوں نے کہا: ہم کو بتایا گیا کہ رسول اللہؐ کا طریقہ یہ ہے۔ ہم اس پر عمل کر رہے ہیں۔

تو اعمال میں جو اختلافات پیدا ہوئے وہ رسول اللہؐ کے بتائے ہوئے طریقوں سے الگ الگ بتائے جانے کے نتیجے میں پیدا ہوئے۔

دیکھیے!

میں بہت دھیرے دھیرے پڑھ رہا ہوں تا کہ بات سمجھ میں آتی رہے۔ اسی طرح قرآن مجید کی تفسیر کا معاملہ ہے کہ اسلام کے جتنے فرقے ہیں ان میں سے کوئی یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ ہمیں قرآن کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہر فرقہ جو ہے وہ قرآن کی ایک آیت لیے کھڑا ہے کہ دیکھیے صاحب! ہم جو کرتے ہیں قرآن کی یہ آیت ہے اس کے مطابق کرتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے۔

قرآن تو ایک ہی ہے، قرآن تو نہیں بدلا مگر جیسے جیسے مولاناؤں نے قرآن کی

تفسیر کی ویسے ویسے اُن کے ماننے والے اس تفسیر کو مانتے رہے۔ اس لیے تاریخ میں اختلاف ہوا، عقائد میں اختلاف ہوا، تفسیر میں اختلاف ہوا حتیٰ کہ حدیثوں میں اختلاف ہوا کہ ہماری کتاب میں یہ لکھا ہے، ہم اس کو مانتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہماری کتاب میں یہ لکھا ہے، ہم اس کو مانتے ہیں۔ جب ہر ایک اپنے لیڈر کو مان رہا ہے تو اتحاد کے لیے کوئی ایک ایسا لیڈر ڈھونڈا جاسکتا ہے کہ جس کے اُوپر سب کا اتفاق ہو اور ساری شرائط جو ایک لیڈر میں ہونی چاہئیں اس میں بالاتم موجود ہوں۔

اب میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں کہ جب بات اپنے اپنے لیڈر کی ہے تو ہم اتحاد کی بات کریں تو ہمیں کوئی ایسا لیڈر ڈھونڈنا پڑے گا جس پر سارے مسلمان متفق ہوں اور وہ لیڈر کی جتنی شرائط ہیں اسلام میں وہ ساری اس میں پائی جاتی ہوں اور دوسری بات یہ ہے کہ اس سے کسی کو اختلاف نہ ہو۔

توجہ!

عالمِ اسلام میں ہم نے جب نظر کی اور رہبروں کو دیکھا، علماء کو دیکھا اور بنی اُمیہ کے دور میں تحقیق کی اور بنی عباس کے دور کی تحقیق کی۔ ہر چیز پوری تحقیق کے بعد ہماری سمجھ میں ایک نام آیا۔ بڑی تحقیق کے بعد اور بڑے غور کے بعد اور وہ نام ہے امیر المومنین، امام المتقین علیؑ ابن ابی طالبؑ کا ـــــ (نعرۂ حیدری)

توجہ کیجیے گا!

وہ ہے میرے مولا علیؑ ابن ابی طالبؑ کا نام۔

اسلامی قائد کو مسلمان ہونا چاہیے۔ مولا علیؑ کی تاریخ میں یہ لکھا ہے کہ مولا علیؑ رسولؐ اللہ کے دور کی وہ واحد شخصیت ہیں جنھوں نے کبھی بچپن میں بھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا۔ اسی لیے اور بزرگانِ دین کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" لگتا ہے اور مولا علیؑ کو

"کرم اللہ وجہہ" کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مولا علیؑ مسلمان ہیں۔

دوسری چیز یہ ہے کہ اس کو رسولؐ کا شرفِ صحبت نصیب ہوا تاکہ اس نے رسولؐ کے افعال و اعمال کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو اور وہ باقاعدہ واقف ہو رسولؐ کی سنت سے۔ تو مولا علیؑ سے بڑھ کر کون واقف ہو گا جو اعلانِ رسالت سے لے کر وقتِ رحلت تک رسولؐ سے کبھی جدا ہی نہیں ہوئے۔

یہاں بھی مولا علیؑ کو پورے نمبر ملے۔

دیکھیے غور کیجیے گا!

اسلام والے معاملے میں بھی پورے نمبر ملے اور صحابیت میں بھی پورے نمبر ملے۔

اس لیڈر کو ایسا ہونا چاہیے کہ اپنی زندگی میں اس کے کسی عمل سے رسولؐ ناراض نہ ہوئے ہوں۔ مدحِ علیؑ میں حدیثیں تو ملتی ہیں مگر رسولؐ کی ناراضگی کی کوئی حدیث نہیں ملتی۔ یہاں بھی مولا علیؑ نے پورے نمبر لیے۔

اللہ نے جب رسولؐ کو عزت دی اور وہ عزت دی جس کی دنیا میں مثال ہی نہیں ملتی۔ وہ عزت اللہ کی دی ہوئی رسولؐ کو جو ہے وہ بہت بڑی عزت ہے کہ اللہ نے اپنے رسولؐ پر دُرود بھیجا ___ (صلوٰۃ)

دیکھیے!

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

اس جملے پر درود تمام نہیں ہوتا جب تک آگے یہ جملہ نہ کہیں:

وَآلِ مُحَمَّدٍ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ

مولا علیؑ اس کے اندر بھی شامل ہیں۔

تو صحابیت میں شامل ہیں اور اہلِ بیتؑ میں بھی شامل ہیں ـــــ (نعرۂ حیدری)

جو مسلم لیڈر ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ رسولؐ کے قریب ہو، بہت دُور نہ ہو۔ جب ہم نے مولا علیؑ کو دیکھا تو پورے اسلامی معاشرے میں مولا علیؑ اکیلے وہ ہیں جن کو قرآن نے "نفسِ رسولؐ" کہا ہے۔ لہٰذا سب سے زیادہ قریب رسولؐ کے مولا علیؑ ہیں۔

اسلامی لیڈر کو عالم بھی ہونا چاہیے تاکہ مسئلہ پوچھنے کے لیے دوسروں کے پاس نہ جائے۔ اس کو قرآن کے معانی اور رسولؐ کی سیرت اور سنت کا پورا علم ہو۔ ساری دنیا کہتی ہے کہ مولا علیؑ سے بڑھ کر عالم کوئی نہیں۔

اچھا!

اس کی اگر اللہ نے تعریف کی ہو تو بہت بڑی بات ہے۔ جب ہم نے قرآن میں غور و فکر کیا تو قرآن میں آیت دیکھی:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ

"کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی راہ میں اپنے نفس کو بیچ ڈالتے ہیں"۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۰۷)

شبِ ہجرت کی آیت ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت مولا علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

قرآن مجید کی دوسری آیت جس کے اندر اللہ نے یہ ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ (سورۂ مائدہ: آیت ۵۵)

مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت بھی مولا علیؑ کی شان میں نازل ہوئی۔

قرآنِ مجید کی تیسری آیت، آیتِ مباہلہ ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس آیت میں نفسِ رسولؐ سے مولا علیؑ مراد ہیں۔

قرآنِ مجید کی چوتھی آیت:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ﴿٨﴾ (سورۂ انسان: آیت ۸)

کہا: اس سے بھی مولا علیؑ مراد ہیں۔

معلوم ہوا کہ قرآنِ مجید نے مولا علیؑ کی تعریف بھی کی ہے۔ یہ میں نے وہ آیات پڑھی ہیں جو سب مانتے ہیں۔

رسولؐ اللہ نے فرمایا:

اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا

"میں علم کا شہر ہوں، علیؑ اس کا دروازہ ہیں"۔

رسولؐ اللہ نے فرمایا:

"یا علیؑ! تجھ کو مجھ سے وہ نسبت حاصل ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی"۔

رسولؐ اللہ نے فرمایا:

"علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں"۔

رسولؐ اللہ نے فرمایا:

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ

"جس جس کا میں مولا ہوں اس اس کے علیؑ بھی مولا ہیں"۔

اِن حدیثوں کو بھی سارا عالمِ اسلام مانتا ہے۔ مولا علیؑ مسلمان بھی، مومن بھی، صحابی بھی، اہلِ بیت بھی، عالم بھی، رسولؐ کے پیارے بھی، اللہ کے پیارے بھی۔

یہ جتنا کچھ مَیں نے پڑھا ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

اب آیئے!

یہ تو مولا علیؑ، خدا، رسولؐ، دین اور مذہب کا معاملہ ہے۔

اب اِدھر پلٹ آیئے!

کیا مسلمان عوام بھی مولا علیؑ قبول کرے گی یا نہیں؟

غور طلب بات یہ بھی تو ہے نا!

وہ تو سب کچھ ہے لیکن عوام کا کیا خیال ہے مولا علیؑ کے بارے میں؟

عزیزانِ گرامی!

مسلمان عوام جو ہے وہ تین طبقوں میں بٹی ہوئی ہے:

① امامت والے مسلمان، جو اماموںؑ کو مانتے ہیں

② خلافت والے مسلمان، جو خلفاء کو مانتے ہیں۔

③ صوفی اور خانقاہی مسلمان، جو بزرگانِ دین سے عقیدت رکھتے ہیں۔

اسلام میں یہ تین بڑے ٹکڑے ہیں، ان تینوں کے نظریے مولا علیؑ کے لیے کیا ہیں؟

خلافت والے مسلمان مولا علیؑ کو خلیفۂ راشد مانتے ہیں۔

ولایت والے مسلمان مولا علیؑ کو پیروں کا پیر مانتے ہیں۔

امامت والے مسلمان مولا علیؑ کو امام اوّل مانتے ہیں۔

اگر سارا عالمِ اسلام مولا علیؑ کے نام پر ایک ہوجائے تو اس کے اندر کوئی لڑائی

تو نہیں ہے۔ آپ یہ سمجھ کے مانیے کہ ہم خلیفہ راشد کو مان رہے ہیں۔ وہ یہ سمجھ کر مانیں کہ ہم سرتاجِ اولیاء کو مان رہے ہیں۔ اور ہم یہ سمجھ کر مانیں کہ ہم امامِ اوّل کو مان رہے ہیں اور مسلمانوں کے درمیان جو جھگڑے ہیں وہ سب ایک ہو جائیں مولا علیؑ کے نام پر۔

کہا: اگر ایک ہو جائیں تو ہوگا کیا؟

ہوگا کہ یہ اسلام کا اختلاف مٹ جائے گا۔ سب مل کر قرآن مجید کی وہ تفسیر مانیں جو مولا علیؑ نے بتائی ہے۔ سب مل کر اُن حدیثوں پر اتفاق کریں جن کی مولا علیؑ نے تصدیق کی۔ سب مل کر اس فقہ کو قبول کریں جو مولا علیؑ نے بتائی۔ مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہ رہے گا۔

اب اسلام کی اگر خدمت کرنا ہے تو اس کے علاوہ کوئی دوسری شخصیت اور کوئی دوسرا نام جو اس طریقہ سے ہر ایک کے لیے قابلِ قبول ہو، قابلِ احترام ہو، ہم کو تاریخ اسلام میں دکھائی نہیں دیا، لہٰذا اگر دل سے اسلام کی خدمت کرنا ہے، اگر اتحاد کی بات کرنا ہے تو لوگ محض دکھاوے کے لیے اتحاد کی بات نہ کریں، محض اپنی مشہوری کے لیے اتحاد کی بات کی جائے لیکن پیچھے background نہ ہو تو اتحاد ہوگا کیسے؟ اتحاد کے لیے کوئی مضبوط background ہونا چاہیے۔ جس کی بنیاد کے اُوپر اتحاد کی دیوار کھڑی کی جاسکے۔

میں عالمِ اسلام کے سامنے اتحاد کی بنیاد کے طور پر نامِ علیؑ پیش کرتا ہوں۔ اب اس نام کو یا تو دُنیا قبول کرے اور یا کہہ دے کہ ہمیں علیؑ قبول نہیں ہیں تو ہمیں یہ کہنے میں آسانی تو ہوگی کہ ہمیں آپ قبول نہیں ہیں ــــ (نعرۂ حیدری)

یہ ہے مسئلہ ــــ اب بات کل آگے بڑھے گی جس میں آپ کو سناؤں گا کہ

انسان کو انسان بنانے والے کون لوگ ہیں اور انسان جس کو قرآن مجید نے پتھر کہا ان پتھروں کو تراش کے حسین تصویر اُبھار دینا، ان درختوں کو اور جانوروں کو انسان بنا دینا، یہ سب کون لوگ تھے؟

قرآن کی روشنی میں ان شاء کل سناؤں گا۔

ذکرِ مصائب

آج تو صرف اتنا کہ فارمولا تو میں نے پیش کر دیا ہے مگر میں جانتا ہوں۔ اس کی مخالفت میں آواز نہ آئے مگر بہت سے دل جو ہیں وہ اس بات پر تیار نہیں اس لیے کہ بنواُمیہ نے جو پروپیگنڈا کیا تھا اور بنواُمیہ نے جو زہر بویا تھا اس کے اثرات اسلامی معاشرے میں آج تک پائے جاتے ہیں اور وہ زہر اتنا تیز تھا کہ ابھی تک اس کے اثرات کم نہیں ہوئے۔ یہی وہ زہر تھا جس کے لیے عمر ابن سعد نے امام حسینؑ سے کہا تھا:

بُغۡضًا لِاَبِیۡكَ

"اے حسینؑ! ہم تمھارے باپ کی عداوت میں تم سے لڑنے آئے ہیں، تمھارے باپ کی دشمنی میں تم سے لڑنے آئے ہیں"۔

یہ وہی دشمنیٔ حیدرِ کرّار کا شعلہ تھا جو کربلا میں بھڑک اُٹھا۔

عزیزو!

آج ساتویں رات آ گئی۔ آج کی رات فوجِ یزید کے پاس یہ حکم آ گیا کہ امام حسینؑ کے اور دریائے فرات کے بیچ میں حائل ہو جاؤ اور کوئی ایک قطرہ پانی نہ چکھ سکے۔ پانی کی قلت پہلے دن سے تھی، ساتویں محرم سے خیامِ حسینؑ میں قحطِ آب تھا۔

العطش کی صدائیں بلند تھیں، بچے ہاتھوں میں سوکھے ساغر لیے ہوئے پیاس کی فریاد کر رہے ہیں۔ اب کل سے جب آپ پانی پینا تو امام حسینؑ پر سلام ضرور بھیجنا۔

اَلسَّلَامُ عَلَی الْحُسَیْنِ

"اے حسینؑ! آپؑ پر سلام ہو"۔

عزیزانِ گرامی!

تین دن پیاسے رہے امام حسینؑ اور اصحابِ حسینؑ۔ عاشور کی رات عبادتِ پروردگار میں بسر ہوئی۔ عاشور کا سویرا ہوا۔ بازارِ شہادت گرم ہوا۔ ایک ایک غازی شہادت کے لیے جانے لگا۔ جب دوست تمام ہو گئے تو عزیزوں کی باری آئی۔ سب سے پہلی قربانی بنی ہاشم میں سے جس نے پیش کی وہ اولادِ عقیل تھی۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جنابِ عقیلؑ کے بیٹے جنابِ مسلمؑ کے بھائی بڑی بہادری سے لڑے۔ حضرت مسلمؑ کے صاحبزادے عبداللہ ابن مسلمؑ نے ایسی زبردست جنگ کی کہ دشمن کے لشکر کے ٹکڑے اُڑا دیے۔ بہادر باپ کا بہادر بیٹا بڑی شان سے لڑا اور جب اولادِ عقیلؑ میں ایک ایک شہید ہو چکا تو اب اولادِ جعفرؑ کی باری آئی۔ اولادِ جعفرؑ میں جنابِ زینب الکبریٰؑ کے لاڈلے جنابِ عونؑ اور جنابِ محمدؑ، جن کی ماں اپنے بچوں کو اپنے ماموں پہ قربان کرنے لائی تھیں اور بچوں کے لیے کیا خوب میر انیس کہہ گئے ہیں کہ ماں بچوں کو سمجھا رہی ہے اور کہہ رہی ہے:

تم کیوں کہو کہ لعل خدا کے ولی ہو
فوجیں پکاریں خود کہ نواسے علیؑ کے ہو

جب شہزادیؑ کے بیٹوں کی لاشیں بھی خیموں میں آ گئیں، جنابِ قاسمؑ بار بار اجازت مانگ رہے تھے مگر اجازت نہیں مل رہی تھی۔ خیمے میں فکرمند بیٹھے تھے کہ چچا

سے کیسے اجازت لوں؟ باپ کا خیال آیا کہ دنیا سے جاتے وقت بابا نے بازو پہ تعویذ باندھا تھا اور کہا تھا: قاسمؑ! جب مصیبت میں گرفتار ہونا تو اس کو پڑھ لینا۔

قاسمؑ نے تعویذ کھولا، دیکھا باپ کا خط تھا بیٹے کے نام! جس میں لکھا تھا:

"قاسمؑ! جب میرا بھائی حسینؑ مصیبت میں گرفتار ہو تو اپنی جان دے دینا"۔

جنابِ قاسمؑ باپ کا خط لیے ہوئے چچا کے پاس آئے اور کہا: چچا! یہ خط۔

امام حسینؑ نے گلے سے لگا لیا اور بہت روئے۔ قاسمؑ کو گھوڑے پہ سوار کیا۔ بچہ مقتل میں آیا۔ تاریخ نے جنابِ قاسمؑ کا رجز لکھا ہے جس شان سے لڑ رہے تھے:

"کیا تم مجھے نہیں جانتے؟ میں قاسمؑ ہوں، حسنؑ کا بیٹا! علیؑ کا پوتا، میں تلوار چلاتا رہوں گا اور اپنے چچا کے دشمن کو دفع کرتا رہوں گا"۔

مورخ لکھتے ہیں کہ بچہ اس شان سے لڑ رہا تھا کہ جو آتا تھا اس کو مار ڈالتا تھا۔

حمید بن مسلم کہتا ہے کہ ایک لعین نے کہا کہ لڑکا سب کو مار ڈالے گا۔ میں جا رہا ہوں اس کے لیے۔

حمید کہتا ہے کہ میں نے اس سے کہا کہ اتنے لوگ جو اس بچے کی جان کو گھیرے ہوئے ہیں یہ کیا کم ہے جو تُو بھی جا رہا ہے؟

اس نے کہا: نہیں! یہ غلط لڑ رہے ہیں۔ یہ سامنے سے آ کر لڑ رہے ہیں۔ یہ سب مارے جائیں گے۔ یہ بنی ہاشم ہیں، ان کے ساتھ سامنے سے نہیں لڑا جاتا، ان کو دھوکے سے مارنا چاہیے۔

عزادارو!

چوروں کی طرح وہ ملعون پیچھے پیچھے حضرت قاسمؑ کے لگا اور ایک موقع دیکھ کر

اس نے کھینچ کر ایک نیزہ مارا۔

ہاں میرے دوستو!

رو لیجیے۔ تاریخ لکھتی ہے کہ ایسا ہی حملہ تھا جو جنگِ اُحد میں حضرت حمزہؑ پہ ہوا تھا۔ جس حملے سے جنابِ حمزہؑ شہید ہوئے ایسے ہی حملے سے حضرت قاسمؑ شہید ہوئے۔ تیورا کر گھوڑے سے گرے، آواز دی:

یَا عَمَّاہُ

"ارے چچا!

اَدْرِکْنِیْ

"میری خبر لیجیے"۔

تاریخ لکھتی ہے کہ امامؑ کسی شہید کے لاشے پر اتنی تیزی سے نہیں گئے جتنی تیزی سے جنابِ قاسمؑ کے لاشے پر گئے۔ مگر جب پہنچے تو جنابِ قاسمؑ دنیا سے جا چکے تھے۔ امامؑ نے منہ پہ منہ رکھ دیا اور کہا: بیٹا! تیرا چچا آ گیا۔

بس!

ایک جملہ سن لیجیے!

میں اپنی طرف سے بھی کہہ رہا ہوں اور جتنے میری مجلس سن رہے ہیں ان کی طرف سے بھی کہہ رہا ہوں:

اے میرے مولا حسنؑ! بیٹے کی تعزیت لیجیے۔

اے مولاؑ! آپؑ کے جنازے پر تیر برسے تھے۔ آپؑ کا بیٹا گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال ہو گیا۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ○

مجلسِ ہشتم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرما رہا ہے:

وَالْعَصْرِ ﴿۱﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾

''عصر کی قسم! تمام انسان گھاٹے میں ہیں سوائے ان کے جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے اور وہ لوگ جو ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے ہیں اور وہ جو ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرتے ہیں''۔ (سورۂ عصر)

عزیزانِ محترم!

ہمارے اور آپ کے درمیان موضوع ''انسان اور انسانیت'' ہے اور اس انسان اور انسانیت کے موضوع کے اُوپر تاریخ گواہ ہے کہ میں نے مسلسل کئی بار آپ کی خدمت میں عرض کیا اور کل میں نے تمام مسلمانوں کو متحد ہونے کے لیے ایک فارمولا پیش کیا اور وہ فارمولا آپ حضرات نے سماعت فرمایا۔ میں نے ایک نام لیا تھا اور وہ نام مولائے کائنات علیؑ ابن ابی طالبؑ کا تھا۔۔۔ (صلواۃ)

اگر تمام مسلمان متحد ہو جائیں اور اُن کے بتائے ہوئے راستے پہ چلیں اور ان کی سیرت پہ عمل کریں اور انھوں نے جو تشریح، توضیح قرآن کی کی ہے اور

احادیث و رسولؐ کے جو معانی بتائے ہیں اور اسلامی عبادات کا جو مفہوم سمجھایا ہے اگر اس کے مطابق عالمِ اسلام عمل کرے تو ہمارے اختلافات ختم ہو سکتے ہیں اور ہمارے اندر اتحاد کی لہریں پیدا ہو سکتی ہیں۔

عزیزانِ گرامی!

نامِ علیؑ وہ نام ہے جس کی سب عزت کرتے ہیں اور سبھی احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں اور سبھی اس نام کو محترم قرار دیتے ہیں۔

میرے بیان کو چوبیس گھنٹے گزر چکے ہیں، میرے پاس کوئی ٹیلی فون، کوئی پیغام ایسا نہیں آیا جس میں کسی نے کہا ہو کہ ہمیں یہ کام قبول نہیں ہے۔ تو یہ خاموشی بتاتی ہے کہ اس نام سے کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

اب آج میں آپ کو یہ سناؤں، کل تو مَیں نے خالی نام لے لیا، آج آپ کو یہ سنانا چاہتا ہوں کہ یہ نام ایک انسان کا نام نہیں ہے۔ علیؑ انسان کا نام نہیں ہے بلکہ معجزۂ انسانیت کا نام ہے۔۔۔۔(صلوٰۃ)

انسانیت اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ جائے اگر علیؑ کا اتباع کرلے تو اس لیے کہ مولا علیؑ نے اپنی پوری زندگی میں یہاں سے وہاں تک انسانیت کے جتنے چراغ روشن کیے ہیں اور انسانوں کی جتنی خدمت کی ہے وہ آپ اپنی مثال ہے۔

آیئے!

سب سے پہلے مولا علیؑ کی زندگی کو قرآن کی کسوٹی پہ رکھ کے دیکھتے ہیں اس لیے کہ اب میرے پاس وقت بہت کم رہ گیا اور جو میں نے سورہ پڑھا اس کے ایک ہی لفظ پر پورا بیان گھومتا رہا اور وہ لفظ ہے "انسان" اور بقیہ جو کچھ پڑھا میں نے اس کا کوئی تذکرہ ہی نہیں ہوا بیچ میں۔

قرآن مجید نے ایک کامیاب انسان کی کیا پہچان بتائی ہے؟

یہ سنیے!

اسی سورہ میں ہے جو میں نے پڑھا ہے۔

خدا قسم کھا کر کہہ رہا ہے: عصر کی قسم!

إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ ﴿٢﴾

"یقیناً تمام انسان گھاٹے میں ہیں"۔

آپ سمجھے یہ کون سا گھاٹا ہے؟

گھاٹا کب ہوتا ہے اور گھاٹا کسے کہتے ہیں؟

ہم نے دس ملین ڈالر لگا کر ایک کاروبار شروع کیا اور اس کے اندر پانچ ملین ڈالر کا نقصان ہو گیا تو یہ گھاٹا ہے اور دس ملین ڈالر کا کاروبار بیس ملین ڈالر کا ہو گیا تو یہ فائدہ ہے۔ معلوم ہوا کہ جو چیز کاروبار میں لگے تو اگر کاروبار بڑھتا ہے تو فائدہ ہوتا ہے۔ اگر کاروبار گھٹتا ہے تو نقصان ہے۔

اسلام کی نظر میں تاج ہو یا تخت ہو یا دولت ہو، یا ثروت ہو، حکومت ہو، جواہرات ہوں یہ سب گھاٹے کا سودا ہیں۔ اس لیے گھاٹے کا سودا ہیں کہ اللہ کی نظر میں انسان کی قیمت زیادہ ہے۔

دیکھیے!

پہلے فلسفہ سمجھئے کہ کیا ہے؟

اللہ کے ہاں انسان کی قیمت زیادہ ہے دنیا کے اور مخلوق جو ہیں وہ انسان سے زیادہ قوی، انسان سے زیادہ بڑے اور انسان سے زیادہ پرانے ہیں۔ ہمالیہ اپنے قدوقامت میں انسان سے بہت بڑا ہے۔ اپنی age میں بھی انسان سے بہت پرانا

ہے۔ چاند تارے، انسان کے وجود سے بہت پرانے ہیں۔ انسانی وجود سے بہت بڑے ہیں۔ انسان اس کائنات کے ریشیوں میں پوری دنیا میں ایک بندے کے برابر بھی نہیں ہے لیکن اشرفیت کا تاج اس کے سر پر ہے۔ یہ کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی سب کا سردار ہے، اشرف المخلوقات ہے۔

معبود! یہ کھلونا جو سب سے حسین ہے، سب سے زیادہ عقل مند ہے، سب سے زیادہ ہوشیار ہے، کیا اسی لیے بنایا تھا کہ ساٹھ، ستر، اسی، نوے برس کے بعد توڑ ڈالا جائے؟

پہاڑ تو اربوں برس جئیں، سمندر تو کھربوں برس جئیں، چاند تارے تو ان سے بھی کئی ملین گنا ہیں اور انسان سو برس بھی نہ چلے؟

کہا: تم سمجھے نہیں، سب کو فنا ہے مگر انسان کو بقا ہے۔ یہ دُنیا اس کے امتحان کے چند گھنٹے ہیں، جس کے بعد اس کو کامیابی ملے گی یا ناکامی ملے گی۔

اگر ہم مولا علیؑ کو اس معیار پر پرکھیں تو مولا علیؑ نے نہ تاج کو دیکھا، نہ تخت کو دیکھا، نہ حکومت کو دیکھا، نہ سلطنت کو دیکھا، نہ جواہرات کو دیکھا، ملک و مال کو دیکھا، نہ دنیا کی لذتوں کو دیکھا، نہ لذیذ غذاؤں کو دیکھا اور نہ عالی شان مکانوں کو دیکھا، ہر ایک سے دل موڑ لیا اور خدا کے لیے گھر کو خالی چھوڑ دیا، ہر ایک سے دل موڑ لیا اور کہا کہ اب اس دل میں بس خدا رہے گا اور کوئی نہیں رہے گا۔

بس!

ایک جملہ کہہ کر آگے بڑھوں گا!

جس نے اپنے دل کو تمناؤں سے خالی کر دیا ہو، اس نے بھی ایک بیٹے کی تمنا کی ـــــ (صلوٰۃ)

قرآن کہتا ہے:

"عصر کی قسم! تمام انسان گھاٹے میں ہیں"۔

اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا

"سوائے اُن کے جو ایمان لائے"۔

کون لوگ؟

قرآن کہتا ہے کہ فائدے میں وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے۔

اب مولا علیؑ کے ایمان کے بارے میں ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ تاریخ کہتی ہے کہ سب سے پہلے جس نے رسولؐ کو رسولؐ کہا وہ مولا علیؑ تھے۔

توجہ ہے!

دعوتِ ذوالعشیرہ میں جب سارا خاندان جمع تھا اور رسولؐ نے نصرت طلب کی تو وہ مولا علیؑ ہی تھے جنھوں نے سب سے پہلے کہا تھا: "یارسولؐ اللہ!"

آج دنیا یارسولؐ اللہ! یارسولؐ اللہ کے نعرے لگاتی ہے۔ لیکن سوچیے کہ سرکارؐ کے لیے لفظ سب سے پہلے جس نے استعمال کیا وہ مولا علیؑ تھے۔

تو جب انھوں نے مجمع عام میں کھڑے ہو کر کہا: یارسولؐ اللہ! میں آپؐ کی نصرت کروں گا تو آپ کو تو اچھا لگ رہا ہے اس لیے کہ آپ کلمہ گو ہیں اور آپ واہ واہ کر رہے ہیں اس کے اُوپر کہ مولا علیؑ نے یارسولؐ اللہ کہا مگر وہاں مجمع میں کچھ لوگ بیٹھے تھے، ان کے دل جل رہے تھے۔ اس دن سے وراثت آج تک چلی آ رہی ہے۔ مولا علیؑ والے یارسولؐ اللہ کہہ رہے ہیں اور جلنے والے یارسولؐ اللہ کو بدعت کہہ رہے ہیں ـــــ (صلوات)

وہ لوگ فائدے میں جو ایمان لائے تو مولا علیؑ وہ انسان ہیں، وہ جو فائدے

میں ہیں قرآن کی نظر میں اس لیے کہ سب سے پہلے ایمان کا اظہار کیا، خالی ایک ہی جملہ نہیں ہے:

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

"اور نیک عمل کرے"۔

اب مولا علیؑ کی نیک اعمالیاں ڈھونڈیے۔

دعوتِ ذوالعشیرہ میں وعدہ کرنا کیسا عمل ہے؟

عمل نیک ہے کہ نہیں؟

جب رسولؐ کی جان خطرے میں ہو تو اُن کو محفوظ کر کے خطرے میں جا کر سو رہنا عمل نیک ہے کہ نہیں؟ جب دشمن رسولؐ کو قتل کرنے آئے تو تلوار لے کر نکل جانا عمل نیک ہے کہ نہیں؟

جب رسولؐ نرغۂ اعداء میں گھرے ہوں تو پروانہ بن کر اس شمع کی حفاظت کرنا عمل نیک ہے کہ نہیں؟

جب رسولؐ بلائیں تو ان کے حکم پر عمل کر کے درِ خیبر کو اُکھاڑ دینا عمل نیک ہے کہ نہیں؟

اسلام کی تبلیغ عمل خیر ہے کہ نہیں؟

نیکیاں عمل خیر ہیں کہ نہیں؟

نمازیں عمل خیر ہیں کہ نہیں؟

یہ عمل کرتے جاتے ہیں، قرآن تصویر بناتا جاتا ہے۔

خالی!

نماز ہر ایک پڑھتا ہے لیکن جب یہ نماز پڑھتے ہیں تو قرآن کہتا ہے:

يُقِيمُوْنَ الصَّلٰوةَ

"یہ نماز کو قائم کرتے ہیں"۔

جب سب روزہ رکھتے ہیں تو اگر خلوص سے رکھا ہے تو اجر ملے گا لیکن یہ نذر کے روزے بھی رکھتے ہیں تو جنت کا سودا ہو جاتا ہے۔

وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ﴿۱۲﴾

"ہم نے ان کو صبر کے بدلے میں جنت اور حریر جنت دے دیا"۔ (سورۂ دہر: آیت ۱۲)

عزیزانِ گرامی!

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (سورۂ عصر)

"ایمان لائے اور نیک عمل کرے"۔

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ (سورۂ عصر)

"وہ ایک دوسرے کو حق کی وصیت کریں"۔

مولا علیؑ نے ہمیشہ ایک ایک چیز کے لیے نیکی اور خیر کی وصیت کی اور دنیا سے جاتے جاتے انسانیت کی راہ میں اتنے چراغ جلا دیے۔

دُنیا میں اپنی آل، اولاد کے لیے ہر ایک وصیت کرتا ہے لیکن اپنے قاتل کے لیے کوئی وصیت نہیں کرتا۔ مولا علیؑ وہ انسان ہیں جنھوں نے اپنے قاتل کے لیے وصیت کی کہ دیکھو! خبردار! میرے قاتل کے اُوپر صرف ایک ہی وار کرنا اس لیے کہ اس نے مجھ پر ایک ہی وار کیا ہے۔

مولا علیؑ نے اپنے مخالفین کے لیے وصیت کی کہ اگر میں اس ضرب سے نہ بچوں تو تلوار لے کر ٹوٹ نہ پڑنا بے گناہوں پر۔

عزیزانِ گرامی!

آج کی دنیا کو سنایئے کہ جن کے دماغ میں انتقام کا تصور یہ ہے کہ تم نے ہم کو ستایا ہے تو ہم تم کو ستائیں گے۔

اسلام میں انتقام ہے، ایسا نہیں ہے کہ انتقام نہ ہو مگر جو ظالم ہیں ان سے انتقام ہے جو بے گناہ ہیں، ان سے انتقام نہیں ہے۔

مولا علیؑ نے اپنے خاندان والوں کو وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد تلواریں لے کر ٹوٹ نہ پڑنا بے گناہوں پر کہ امیر المومنینؑ شہید کر دیے گئے۔

آپ نے سنا ہوگا کہ مولا علیؑ نے چلتے وقت جانوروں کے لیے وصیت کی کہ ان کے دانے پانی کا خیال رکھنا۔

ارے! درختوں کے لیے وصیت کی کہ ان کو نہ کاٹنا۔ اچھا یہ ہے کہ زمین تک کے لیے وصیت کی کہ زمین سے اناج لینا تو واپس بھی کرنا، اس کو اس کا حصہ، تا کہ تمھاری زمین برقرار رہے۔

مولا علیؑ نے ایک ایک کے لیے وصیت کی۔

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ

"ایک دوسرے کو وصیتِ حق کرتے ہیں"۔

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾

"اور وہ لوگ جو ایک دوسرے کو وصیتِ صبر کرتے ہیں"۔

عزیزانِ گرامی!

انسانیت کے چراغ روشن ہیں۔ مولا علیؑ کا حق لیا گیا مگر مولا علیؑ نے صبر سے کام لیا۔ مولا علیؑ کے چاہنے والوں کی تلواریں نیاموں سے نکل رہی تھیں مگر مولا علیؑ

نے صبر کی وصیت کی کہ خبردار کوئی آدمی تلوار کے قبضہ پر ہاتھ نہ ڈالے۔

معلوم ہوا کہ قرآنی نقطۂ نظر سے مولا علیؑ وہ شخصیت ہیں جو فائدے میں ہیں، تمام انسان گھاٹے میں ہیں، علیؑ وہ ہیں جو فائدے میں ہیں۔ اب اگر آپ کو فائدے کی تلاش ہے تو درِ علیؑ پر آیئے، فائدہ یہیں ملے گا، یہاں کے علاوہ کہیں یہ فائدہ نہ ملے گا۔

عزیزانِ گرامی!

یہ تو ہوا قرآنی معیار۔

اب آیئے!

انسانی معیار، وہ عظیم انسان جس نے لڑائی کے وقت بھی انسانیت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، مولا علیؑ کی تاریخ گواہ ہے کہ کبھی زخمی کو قتل نہیں کیا، کبھی بھاگتے کا پیچھا نہیں کیا، جس نے امان مانگی اس پہ تلوار نہیں اٹھائی۔ یہ مولا علیؑ تھے جنھوں نے کبھی زیادتی نہیں کی کسی کے اُوپر، کبھی لڑائی میں پہل نہیں کی، ہمیشہ اس سے کہا کہ وار کرو، جب وہ دو تین وار کر چکا، تب وار کیا، کبھی دھوکے میں وار نہیں کیا، ہمیشہ للکار کے وار کیا کہ اب سنبھلو میں وار کر رہا ہوں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ایک وار سے دوسرے وار کی نوبت نہ آئی۔ مولا علیؑ کی لڑائی کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی اکیلا لڑنے آتا تھا تو اس سے کہتے تھے کہ تم حملہ کرو۔ وہ ایک، دو تین حملے کرتا تھا۔ مولا علیؑ حملے روکتے تھے۔ جب دو تین حملے وہ کر لیتا تھا تو کہتے تھے کہ اب میں حملہ کرتا ہوں سنبھلو۔ اور جب اس کو ہوشیار کر لیتے تھے تب حملہ کرتے تھے اور دوسرے حملے کی نوبت نہ آتی تھی۔

آپ جانتے ہیں کہ کیوں نہ آتی تھی؟

اس لیے کہ جب تلوار نہیں پڑتی اور بچا جاتا ہے چوٹ سامنے والا تو یہ لفظ بولا

جاتا ہے لڑائی میں "تلوار نے خطا کی"۔

امامت سے خطا ہوتی نہیں ــــ (نعرۂ حیدری)

کہاں کہاں میں بتاؤں!

مولا علیؑ کی انسانیت کے جلوے یہاں سے وہاں تک بکھرے پڑے ہیں۔

ایک آدمی نے بدتمیزی کی لڑائی کے موقع پر تو سینے سے اُتر آئے۔ عمرو ابن عبدود، خندق کی لڑائی میں، اس نے بدتمیزی کی مولاؑ سے، مولا علیؑ اُتر آئے۔ تھوڑی دیر ٹہلتے رہے۔ لوگوں نے اعتراض بھی کیا کہ مولا علیؑ نے یہ کیا غلطی کی۔

توجہ!؟

ایک گروہ وہ تھا جو مولا علیؑ کی غلطیاں ڈھونڈا کرتا تھا۔ چنانچہ لوگ لڑائی دیکھ رہے تھے دُور سے کھڑے ہوئے۔ جب اس کو گرا دیا، سینے پہ بیٹھ گئے تو لوگوں نے اطمینان کی سانس لی کہ آ گیا۔ جب اُتر آئے۔ اب پھر آواز آنے لگی کہ یا رسولؐ اللہ! دیکھا آپؐ نے کہ مولا علیؑ نے کیا غلطی کی۔ اچھے خاصے اس کے سینے پہ تھے اور اُتر آئے۔ اگر ہم ہوتے تو ایسا نہ کرتے۔

رسولؐ اللہ نے فرمایا: بھئی! جب علیؑ آئیں تو اُن سے پوچھ لینا۔

تھوڑی دیر میں مولا علیؑ نے اس کو ختم کیا حالانکہ وہ عمرو ابن عبدود بدتمیزی رسولؐ اللہ سے کر رہا تھا، رسولؐ اللہ نے اس کو کتّا کہا۔ بدتمیزی رسولؐ اللہ سے کر رہا تھا، وہاں سے چلے سر لیے ہوئے عمرو کا۔

پھر اعتراض ہوا کہ یا رسولؐ اللہ! دیکھیے علیؑ کس طرح چل رہے ہیں؟

رسولؐ اللہ نے فرمایا: اللہ کو علیؑ کی یہی چال پسند ہے ــــ (نعرۂ حیدری)

یہ بڑی بلیغ حدیث ہے، اس کو جلدی سے سن کر نہ ٹال دیجیے۔ ایک آواز آئی

کہ ہمیں یہ چال پسند نہیں۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا: اللہ کو علیؑ کی یہی چال پسند ہے۔

چلیے!

یہ بات طے ہو گئی کہ جو اِن کو پسند ہے وہ اللہ کو پسند نہیں اور جو اللہ کو پسند ہے وہ اِن کو پسند نہیں۔ اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ سب مولا علیؑ کے اُوپر متحد ہو جاؤ اس لیے کہ جو مولا علیؑ کا عمل ہے وہ اللہ کو پسند ہے۔۔۔ (صلواۃ)

میدانِ جنگ میں بھی مولا علیؑ نے اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کیا اور ہر منزل پر انسانوں کو سہارا دینے میں، انسانوں کی مدد کرنے میں، انسانوں کی نصرت کرنے میں، بہترین انسان وہ ہے جس کے پاس علم بھی ہو، جس کے پاس اخلاق بھی ہو، جس کے پاس قوت بھی ہو، جس کے پاس امانت بھی ہو، جو دوسروں کا مال کھا نہ جائے، جو دوسروں کے لیے باعثِ تکلیف نہ ہو، جو دوسروں کو ایذا نہ دے، جو دوسروں کو پریشان نہ کرے، جس کی ذات سے دوسرے خطرہ محسوس نہ کریں، وہ بہترین انسان ہے دُنیا کا۔

انسانی حقوق جو ہیں وہ کاغذ پر سب لکھے ہیں لیکن عملی زندگی میں ہم کو نظر نہیں آتے۔ باتیں لوگ بڑی بڑی کرتے ہیں کہ جی! میں تو ہمیشہ سچ بولتا ہوں مگر جب بولے جھوٹ بولے۔ جناب! میں تو ایمان کی بات کہتا ہوں مگر جب کہی بے ایمانی کی بات کہی۔ جناب! میں تو کسی کا پیسہ کھاتا نہیں، میں تو کسی کے آگے شرمندہ نہیں ہوں، سینکڑوں کا مال کھا گئے پتہ بھی نہ چلا۔ آپ دنیا میں گھوم کر انسانوں کو دیکھیے۔ کیسے کیسے انسان ہم نے اپنی زندگی میں دیکھے ہیں۔ زندگی کا اتنا طویل سفر میں نے آنکھیں بند کر کے تھوڑی گزارا ہے۔ دیکھنے میں بالکل ٹھیک، منہ پر داڑھی بھی ہے۔ ماتھے پہ محراب بھی ہے۔ اللہ و رسولؐ کی باتیں بھی کر رہے ہیں، ہاتھوں میں بہت سی

انگوٹھیاں بھی پہنی ہیں، مسجد میں بھی دکھائی دے رہے ہیں، تسبیح بھی ہاتھ میں ہے، مال کھا جانے میں حاتم طائی ہیں۔

عزیزانِ گرامی!

یہ واقعات دیکھ کر بڑی عبرت ہوتی ہے۔

دیکھیے!

میں پڑھا لکھا تو نہیں ہوں، جاہل آدمی ہوں مگر میں نے دنیا بہت دیکھی ہے اور آنکھیں کھول کر دیکھی ہے، لہٰذا مجھے زندگی کا تجربہ بہت ہے اور اسی بنیاد پر مجلس بھی پڑھ لیتا ہوں۔

عزیزانِ گرامی!

یہ منظر دیکھ کر عبرت ہوتی ہے۔

ہمارے پاس کوئی کسوٹی ایسی نہیں ہے جس پر ہم آدمی کو پرکھ سکیں کہ سونا کھرا ہے کہ کھوٹا ہے۔ اس کی کسوٹی مولا علیؑ کی ذات ہے اس لیے کہ ہم نے تاریخ میں وہ صورتیں دیکھی ہیں جو ہر طرح سے ٹھیک دکھائی دیتی ہیں مگر دل میں عداوتِ علیؑ کا بخار لیے ہوئے ہے۔ زندگی میں قدم قدم پر لوگ ملتے ہیں۔ تو انسانیت کی جو اعلیٰ قدریں ہیں وہ مولا علیؑ کے اندر جلوہ گر ہیں۔ جب وہ منبر پر جاتے ہیں تو اُن سے بڑھ کر کوئی دوسرا خطیب نہیں ہے۔

عزیزانِ گرامی!

مولا علیؑ معجزۂ خطابت تھے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ آڈیو وڈیو کی ایجاد سے پہلے آپ کے اس بمبئی میں بڑے بڑے خطیب آکر چلے گئے۔ بمبئی کے کچھ بوڑھے لوگ آج بھی اُن کا تذکرہ کرتے ہیں کہ یہاں وہ آیا کرتے تھے۔

یہاں علامہ رشید ترابی "پڑھتے تھے، یہاں حائری صاحب" پڑھتے تھے، یہاں خطیبِ اعظم پڑھتے تھے۔ تعریفیں تو بہت سنیں مگر کسی کے پاس کوئی ریکارڈ نہیں ہے اس لیے کہ اس زمانے میں یہ چیز تھی ہی نہیں۔ یہ سو برس سے کم کی بات ہے۔ یہ لوگ ستر، اسی برس پہلے یہاں آئے تھے مگر ریکارڈ نہیں ہے۔

کیا مولا علیؑ وہ معجزنما خطیب نہیں ہیں جو آج سے چودہ سو برس پہلے منبرِ کوفہ پر بول رہے تھے اور ریکارڈ آج تک موجود ہے۔

عزیزانِ گرامی!

نہج البلاغہ کا ریکارڈ آج تک موجود ہے۔

توجہ!

جب منبر پر بیٹھے تو خطابت کا معجزہ اور جب مسند پر بیٹھے تو عدالت کا معجزہ۔ ایسی عدالت کہ کبھی کسی نے فیصلے پہ اعتراض کیا ہی نہیں اور جج تو سینہ ٹھوک کے کہہ رہا ہو کہ اگر مسند بچھا دی جائے تو میں اہلِ تورات کو تورات سے حکم دوں گا، اہلِ انجیل کو انجیل سے حکم دوں گا، اہلِ قرآن کو قرآن سے حکم دوں گا۔

یہ ہیں مولا علیؑ، جن کے فیصلوں کے اُوپر کوئی نظرِ ثانی کرنے والا نہیں ہے۔

رسولؐ اللہ نے فرمایا:

أَقْضَاكُمْ عَلِيٌّ

"تم میں سب سے بہترین فیصلہ کرنے والا علیؑ ہے"۔

جب محرابِ عبادت میں گئے تو اس طرح عبادت کی کہ دیکھنے والے یہ سمجھے کہ روحِ مبارک جسم سے پرواز کر گئی۔ رات کے اندھیرے میں، مسجد الحرام کے گوشے میں، سرِ خاک پر رکھے ہوئے ایک بندہ زار و قطار رو رہا ہے۔

امام حسن علیہ السلام پہنچ گئے، فرماتے ہیں: اتنی دردناک آواز تھی کہ میں مناجات چھوڑ کر چلا گیا، وہاں دیکھا تو میرے بابا سجدے میں ہیں۔

توجہ ہے!

یہ مولا علیؑ کی عبادت ہے۔

جب سر اُٹھایا تو ریش مبارک آنسوؤں سے تر تھی۔

یتیم نوازی پر آئے تو یتیم گھیرے ہوئے ہیں اور مولا علیؑ ایک ایک کو کلیجے سے لگا لگا کر پیار کر رہے ہیں کہ یتیموں کو یہ احساس نہ ہو کہ اُن کا باپ مر گیا ہے۔

اللہ! اللہ!۔۔۔ وہ بندہ انسانیت کے کس عروج پر تھا جس نے یوں دیکھا لوگوں کو اور جب بچے یتیم چلے گئے تو اُن کو سمجھایا گیا کہ دیکھو جس کا باپ مر گیا ہو، اس کے سامنے کبھی اپنے بچوں کو پیار نہ کرنا۔

سوچئے!

اس میں انسانیت کا کتنا درد چھپا ہوا ہے۔

فرمایا: دیکھو! جس کا باپ مر گیا ہو اس کے سامنے کبھی اپنے بچے کو پیار نہ کرنا ورنہ اس کے دل میں دردِ یتیمی تازہ ہو جائے گا۔

یہ مولا علیؑ تھے، غریبوں کے گھر میں روٹیاں بانٹتے رہے، کھانا پہنچا رہے ہیں۔

عزیزانِ گرامی!

دولت مند کا کسی کو کھلا دینا، اچھی بات ہے۔ بری بات نہیں ہے مگر یہ بات بہت زیادہ تعریف کے قابل نہیں ہے۔ ہمارے محل پر دس آدمیوں کا کھانا رکھا ہے۔ دو اگر ابھی آگئے آئیے، آئیے، تشریف لائے، بسم اللہ۔ یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔ یہ بھی اچھی بات ہے۔ مگر یہ کوئی بہت بڑا کارنامہ نہیں کیا ہم نے کہ دس آدمیوں کا کھانا

ہمارے پاس تھا، ہم نے دو کو کھلا دیا۔ بات تو تب بنتی ہے کہ جب کھانا ہمارے اور ہمارے بچوں کو لیے نہ ہو اور ہم انتظام کر کے مہمان کو کھلائیں۔

مولا علیؑ نے فاقوں پہ فاقے کیے اور مسکین، یتیم اور اسیر کو کھلایا، کھانا کھلایا، پانی پلایا، ایک ایک کی مدد کی۔

عزیزانِ گرامی!

یہی علیؑ شجاعت کے میدان میں، طاقت کے میدان میں، قوت کے میدان میں، فضائل کے میدان میں، مناقب کے میدان میں اور مراتب کے میدان میں اپنی مثال آپ ہیں۔

ہے دنیا میں کوئی جو کسی فیلڈ میں مولا علیؑ کا جواب لائے؟

ہے کوئی جو علم میں مولا علیؑ کا مقابلہ کرے؟

ہے کوئی جو قربتِ رسولؐ میں مولا علیؑ کا مقابلہ کرے؟

ہے کوئی جو قوتِ بازو میں مولا علیؑ کا مقابلہ کرے؟

ہے کوئی جو فنِ خطابت میں مولا علیؑ کا مقابلہ کرے؟

جب مولا علیؑ عالمِ اسلام کی بے مثال شخصیت ہیں تو اِن سے ناراضگی کاہے کی؟

آپ سوچیں مسلمان کہ آپ بنو اُمیہ اس سازش کا شکار ہیں جنھوں نے اسلام کو مٹانے کے لیے مولا علیؑ کو بدنام کرنے کی ناکام کوشش کی اور اسلام میں پھوٹ ڈالی اور اسلام میں تفرقہ ڈالا اور اسلام کے لوگوں کو مولا علیؑ اور اُن کی اولاد سے الگ کیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے انسانیت کے چراغوں کو بجھایا ہے، چراغِ مصطفویؐ کو خاموش کرنا چاہا اور شعارِ بولہبی کو اُجاگر کیا۔

خدا کی قسم! آج مولا علیؑ کے بیٹے نے جان دے کر اپنے والد کا انتقام لے لیا۔ آج ساری دنیا میں جو علیؑ علیؑ ہو رہا ہے یہ امام حسینؑ کی مجالس ہیں جہاں اسلام بھی بیان ہو رہا ہے، ایمان بھی بیان ہو رہا ہے، عقیدہ بھی بیان ہو رہا ہے اور نظریہ بھی بیان ہو رہا ہے۔

چلتے چلتے میں آپ سے یہ بات بھی کرتا چلوں کہ محرم الحرام جو ہے وہ انسانیت کا لہراتا ہوا پرچم ہے عالمِ اسلام پر، محرم سے انسانیت کی تعلیم لیجیے، جہاں ہر ایک کا امتیاز ختم ہو گیا تھا، جہاں سب ایک تھے، جہاں دشمنوں کو پانی پلایا جا رہا تھا جہاں بددعا کے لیے ہاتھ نہیں اُٹھائے جا رہے تھے اور آج بھی محرم کا فیضِ عام ہے۔ محرم کا ایک ایسا معاملہ ہے کہ ماہِ محرم میں جہاں جہاں محرم منایا جا رہا ہے۔ جیسے بمبئی کا یہ علاقہ جہاں آپ تشریف لاتے ہیں، محرم کے اور بہت سے فیض ہیں۔ روحانی فیض، مجالس ہوتی ہیں، ذکر ہوتا ہے، سینکڑوں نئی معلومات ملتی ہیں لوگوں کو، ایک گروہ ایسا بھی پیدا ہو گیا ہے جو یہودی فکر کا ہے، جو کہتا ہے کہ جی ہمیں کیا فائدہ ہوا؟ ایک گھنٹہ اطہر صاحب پڑھیں، ہمیں کیا فائدہ ہوا؟ دس مجالس ہوئیں، دس گھنٹے صرف ہوئے، ہمیں کیا فائدہ ہوا؟

میں کہوں گا: آپ کو ہمیشہ فائدے کی پڑی ہے بس۔ اتنا فائدہ تو ضرور ہوا کہ اطہر صاحب نے دس گھنٹے آپ کو روک کر رکھا۔ نہ آپ جھوٹ بولے، نہ آپ نے غیبت کی، نہ آپ نے کسی نامحرم کو دیکھا، نہ کوئی گناہ کیا۔ یہ دس گھنٹے بالکل صاف ستھرے جن میں کوئی برائی نہیں لکھی ہوئی ہے۔

عزیزانِ گرامی!

تو یہ کیا یہ فائدہ نہیں ہے؟

روحانی فائدے کے علاوہ؟

روحانی فائدے کے علاوہ جسمانی فائدے بھی ہیں۔ محرم میں اس علاقے میں کوئی بھوکا نہیں رہ سکتا۔ اس علاقے میں کوئی پیاسا نہیں رہ سکتا۔ جگہ جگہ سبیلیں لگی ہیں، پیاس لگی ہے تو پانی پی لیجیے۔

دیکھیے!

کیا بات ہے بڑے کی۔

جو چھچھورے ہوتے ہیں وہ احسان جتاتے ہیں، آؤ بھوکے ہو، آؤ کھانا لے جاؤ لیکن جو عزت دار ہوتے ہیں وہ اس طرح بانٹتے ہیں کہ ہاتھ کو ہاتھ کی خبر نہ ہو اور عزت دار کے دامنِ عزت پر شکن نہ آئے۔ محرم میں غریبی کے نام پر نہیں بٹتا، نذر کے نام پر بٹتا ہے اور تبرک کے نام پر بٹتا ہے۔ کروڑ پتی ہیں آپ مگر قطار میں کھڑے ہو کر لے رہے ہیں، شریف کی سرکار سے مل رہا ہے، باعزت کی سرکار سے مل رہا ہے، لہٰذا اس شان سے دیا جا رہا ہے۔۔۔ (صلواۃ)

یہ محرم ہے اس کے اندر یہاں سے وہاں ہر جگہ اللہ کا پیغام ہے۔

میں ہر سال محرم الحرام کے عشرے میں اس بات کی یاد دہانی کراتا ہوں کہ دیکھیے ہر چیز اپنے مقام پر اور ہر چیز کے لیے تبلیغ کی ضرورت ہے۔ میں تبلیغات کا مخالف نہیں ہوں۔ جتنی تبلیغ ہو اور سماج کی، نوجوانوں کی اور زمانے کی، جتنی اصلاح ہو وہ سب ہو، وہ امامؑ کے دربار کا فیض ہے، جو ہر ایک کو مل رہا ہے۔

محرم کو آپ کیا سمجھتے ہیں؟

میں آپ کو ایک ایسی مثال دے دوں کہ جیسے کسی خاندان میں بہت سے ممبر ہوں۔ پندرہ سولہ عورتیں، مرد، بچے، نوجوان، لڑکے، لڑکیاں، مطلب یہ کہ فیملی میں

سترہ، اٹھارہ ممبر ہیں اور کوئی کچھ نہ کرتا ہو۔ سب بیکار بیٹھے ہیں اور ایک آدمی کام کرتا ہے ان میں سے۔ وہ کماتا ہے اور وہی سترہ، اٹھارہ افراد کو کھلاتا ہے۔ وہ سب اسی ایک کی کمائی کھاتے ہیں۔ وہ آرام سے رہتے ہیں، اللہ اس کو اتنا دیتا ہے کہ وہ اپنی فیملی کے سترہ اٹھارہ ممبروں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلاتا ہے اور اُن کی ضروریات پوری کرتا ہے۔ جس طریقے سے کسی ایک فیملی میں جو بڑی فیملی ہو، ایک کمانے والا ہو اور سب کھانے والے ہوں۔

اسی طرح اسلام ہے۔ یہ فیملی ہے پوری۔ اس کے اندر عقائد بھی ہیں، اعمال بھی ہیں، واجبات بھی ہیں، مستحبات بھی ہیں، سنتیں بھی ہیں، حدیثیں بھی ہیں، تاریخ بھی ہے۔ تفسیر بھی ہے، سب کھانے والے ہیں، کمانے والا خالی محرم ہے۔

کوئی بیٹھ کر نماز کی تبلیغ کر رہا ہے، کوئی روزے کی تبلیغ کر رہا ہے، کوئی حج کے مسائل بیان کر رہا ہے، کوئی واجبات پر زور دے رہا ہے، کوئی مستحبات پر زور دے رہا ہے، کوئی والدین کا حق بیان کر رہا ہے، کوئی ایمان کی بات کر رہا ہے، کوئی توحید کا فلسفہ سمجھا رہا ہے، کوئی نبوت کی عظمت سمجھا رہا ہے۔ کوئی قیامت کو بیان کر رہا ہے، کوئی پیغمبروںؑ کے قصے سنا رہا ہے، کوئی اولیاء اللہ کے قصے سنا رہا ہے۔

سب کھا رہے ہیں، محرم کما رہا ہے ___ (صلواۃ)

عزیزانِ گرامی!

میری آپ سے دست بستہ گزارش ہے کہ جو چاہے پڑھئے، جو چاہے کہیے مگر کسی چیز کو محرم اور عزاداری کے مقابلے میں نہ لے کر آیئے۔ خدا جانے کس کے دل پہ چوٹ لگ جائے۔ خدا جانے کون کس خلوص سے رو رہا ہے اور خدا جانے کون کیا سوچ رہا ہے۔

ذکرِ مصائب (ذکر حضرت عباس علمدارؑ)

عزیزو!

آج آٹھویں رات آگئی۔ آج ہم اور آپ ماتم کرتے ہیں۔ لشکرِ حسینؑ کے علمدارؑ، ان پر ہماری جانیں نثار ہوجائیں۔ مولا علیؑ معجزۂ انسانیت تھے تو مولا علیؑ کا حصہ شجاعت بھی تھی۔ مولا علیؑ کا حصہ وفا بھی تھی، مولا علیؑ کا حصہ صبر بھی تھا، مولا علیؑ نے ایک بیٹا اللہ سے مانگا، اور اللہ نے مولا علیؑ کو چاند سا بیٹا عطا فرمایا۔ ایسا چاند جس کو گہن نہیں لگتا، ایسا چاند جو سورج کے سامنے بھی چمکتا ہے۔

عزادارو!

کربلا جا کر دیکھ لیجیے!

جہاں امامت کا سورج چمک رہا ہے وہی وفا کا چاند چمک رہا ہے۔

آج سقائے سکینہؑ کا ماتم ہوتا ہے، امام حسینؑ نے عطر انسانیت کھینچا اور پوری دنیا سے بہتر افراد نکالے جن کا مثل و نظیر صدیوں میں نہیں ہوسکتا۔ اُن بہتر میں جنابِ عباسؑ کا قدِ فضیلت سب سے بڑھ کر ہے۔ اس لیے کہ اگر قدِ فضیلت بڑھا ہوا نہ ہوتا تو امامِ عادلؑ کے ہاتھ سے علم نہ ملتا۔

بس عزیزو!

علمدارؑ لشکرِ حسینؑ، ایک ایک کو لڑاتے رہے، اپنے چھوٹے سے لشکر کو، دن بھر لڑایا اور دن بھر مقابلہ کیا۔

جب کوئی باقی نہ بچا تو فرمایا: بھیا! مجھے بھی اجازت دیں۔

امامؑ نے فرمایا: بھیا! تم تو میرے لشکر کے علمدار ہو۔

عرض کیا: مولا! وہ لشکر کہاں گیا جس کا میں علمدار تھا؟

عزادارو!

اجازت نہیں ملی۔

جنابِ عباسؑ میں اور سارے شہداء میں فرق یہی ہے کہ سب کو اجازت مل گئی، مولا عباسؑ کو اجازت نہیں ملی۔ سب نے جی بھر کر لڑائی کی جنابِ عباسؑ لڑے ہی نہیں۔ کوئی پانی تک نہیں پہنچا جنابِ عباسؑ دریا تک جا کر بھی پیاسے پلٹ آئے۔

عزیزانِ گرامی!

اجازت نہیں مل رہی تھی، جنابِ عباسؑ کی مشکل کشائی مشکل کشا کی پوتی نے کی۔ جنابِ سکینہؑ بچوں کو لے کر آ گئی۔ امام حسینؑ نے سر جھکایا، فرمایا: بھیا! جاتے ہوئے پانی کی سبیل کر جانا۔

جنابِ سکینہؑ نے مشکیزہ دیا، جنابِ عباسؑ مشکیزہ لے کر چلے، رُعبِ عباسؑ کو دیکھ کر لشکر بھاگ رہا تھا، ہاتھ میں نیزہ تھا، نیزہ چلاتے ہوئے دریا کے اندر اُتر گئے۔ جنابِ سکینہؑ کی سوکھی مشک بھری۔ چلّو میں پانی اُٹھایا، پینے کے لیے نہیں۔ قبضہ دکھانے کے لیے، پھر دریا میں پھینک دیا۔ مشکِ سکینہؑ دوش پر رکھی۔

عزادارو!

اب دُعا کرو کہ یا اللہ! یہ پانی پہنچ جائے۔

لشکر گھیرے ڈال رہا ہے۔ جنابِ عباسؑ گھیرے توڑ رہے ہیں۔ ایک مرتبہ داہنے ہاتھ پر تلوار چلی، بائیں ہاتھ سے مقابلہ کرنے لگے۔ بایاں ہاتھ بھی جدا ہوا۔ مشکیزے کو اپنے دانتوں سے پکڑا، سینے سے مشکیزے کو سہارا دیا۔ آگے بڑھ رہے ہیں، ایک تیر مشکِ سکینہؑ پر لگا۔

مولا عباسؑ کا دل ٹوٹ گیا۔

مولا عباسؑ نے آواز دی:

آقا حسینؑ! میں نے اپنی جان آپؑ پر فدا کی۔

امام حسینؑ چلے:

وَا عَبَّاسَاہُ!

"ہائے عباسؑ!"

امامؑ نے فرمایا:

اَلْاٰنَ اِنْکَسَرَ ظَھْرِیْ

"میری کمر ٹوٹ گئی"۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ○

مجلسِ نہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ارشادِ رب العزت ہے:

وَالْعَصْرِ ﴿١﴾ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ ﴿٢﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿٣﴾

''عصر کی قسم! تمام انسان گھاٹے میں ہیں سوائے ان کے جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے اور وہ لوگ جو ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے ہیں اور وہ جو ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرتے ہیں''۔ (سورۂ عصر)

عزیزانِ محترم!

سلسلۂ کلام ذہنِ عالی میں ہوگا۔

میں نے انسان اور انسانیت کے موضوع پر مسلسل آپ کے سامنے تقریریں کی، آج میں آپ کو قرآن کی ایک آواز انسان کے سلسلے میں سنانا چاہتا ہوں۔

قرآنِ مجید میں ارشاد ہو رہا ہے:

هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا ﴿١﴾ (سورۂ دھر: آیت ۱)

یہ سورۂ دھر کی ابتدائی آیت ہے۔ اس سورہ کو سورۂ دھر بھی کہتے ہیں اور

سورۂ انسان بھی کہتے ہیں۔ اس سورہ کی خاص بات یہ ہے کہ یہ پورا سورہ مدحِ اہلِ بیتؑ میں نازل ہوا۔ یہ اس کی پہلی آیت ہے:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ① (سورۂ دھر: آیت ۱)

"کیا انسان پر کوئی زمانہ ایسا بھی آیا ہے کہ وہ قابلِ ذکر نہ ہو"۔

عزیزانِ گرامی!

آپ آیت کے تیور دیکھیے، آیت کا انداز دیکھیے۔ اس کے بعد دوسری آیت بھی ہے۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ② (سورۂ دھر: آیت ۲)

"ہم نے انسان کو چند قطرات سے پیدا کیا اور اس کو سمجھ بوجھ والا بنا دیا"۔

یہ صرف وہی کہہ سکتا ہے کوئی دوسرا نہیں کہہ سکتا: "ہم نے انسان کو پیدا کیا"۔

کس طرح پیدا کیا؟

وہ انداز بھی بتا دیا کہ اس طرح پیدا کیا۔

کیا کیا؟

فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ②

"ہم نے اس کو سننے والا، دیکھنے والا قرار دیا"۔

"سمیع" کہتے ہیں سننے والے کو اور "بصیر" کہتے ہیں دیکھنے والے کو۔

خدا قرآن میں انسان کے لیے لفظ ''سمیع'' اور ''بصیر'' استعمال کر رہا ہے اور کئی جگہ قرآن میں اللہ نے اپنے لیے بھی ''سمیع'' اور ''بصیر'' استعمال کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ صفتیں ایسی ہیں جو اللہ کے لیے بھی بولی جاتی ہیں اور بندوں کے لیے بھی بولی جاتی ہیں اُن سے نہ شرک ہوتا ہے، نہ کفر ہوتا ہے، نہ بدعت ہوتی ہے۔ کچھ نہیں ہوتا۔

توجہ ہے!

خدا نے انسان کے لیے بھی لفظ سمیع اور بصیر استعمال کیا ہے اور اپنے لیے بھی سمیع اور بصیر استعمال کیا ہے۔ اب جو لوگ کہتے ہیں کہ جی مشکل کشائی تو خدا کے لیے خاص ہے، یہ تم مولا علیؑ کو مشکل کشا کیوں کہتے ہو تو یہاں اُن لوگوں کا جواب بھی آ گیا۔ (صلوٰۃ)

سمجھے آپ!

فرمایا: ہم نے انسان کو یوں خلق کیا اور اس کو سمجھ بوجھ والا بنا دیا۔

تو پہلی آیت جس میں اللہ سوال کر رہا ہے:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ۝۱ (سورۂ دھر: آیت ۱)

''کیا انسان پر کوئی زمانہ ایسا بھی گزرا ہے کہ وہ کوئی قابلِ ذکر نہ ہو''۔

توجہ!

سوال جو ہوتا ہے اس کا ایک اصول ہے اور اصول یہ ہے کہ جب چھوٹا بڑے سے سوال کرتا ہے، جب بیٹا باپ سے کچھ پوچھتا ہے، جب شاگرد استاد سے کچھ

پوچھتا ہے تو فرض کیا جاتا ہے کہ اپنی معلومات میں اضافے کے لیے پوچھ رہا ہے۔ اس کو نہیں معلوم ہے، اس لیے یہ پوچھ رہا ہے اور کبھی کبھی بڑا چھوٹے سے سوال کرتا ہے، استاد شاگرد سے پوچھتا ہے، باپ بیٹے سے کوئی بات پوچھتا ہے تو اس وقت یہ فرض کیا جاتا ہے کہ معلومات کا امتحان لے رہا ہے کہ یہ اس بات کو جانتا بھی ہے یا نہیں۔

یہاں سوال کرنے والا اللہ ہے اور ہم سے پوچھا جا رہا ہے۔ اب یہاں معاذ اللہ یہ تو کہا نہیں جاسکتا کہ اللہ کو یہ بات معلوم نہیں تھی وہ بندوں سے پوچھ رہا تھا کہ بھئی تم ہی بتا دو۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر بہت گہرائی ہے۔ کوئی معاملہ ایسا ہے کہ اللہ پوچھ رہا ہے کہ یہ نقطہ جانتے ہو کہ نہیں۔ انسان پر کوئی زمانہ ایسا گزرا ہے کہ جب وہ قابلِ ذکر نہ ہو۔

عزیزانِ گرامی!

دوسرا فلسفہ سوال کا یہ ہے کہ سوال طالب علم کی حیثیت کے مطابق ہو۔ لڑکا آپ کا آٹھویں کلاس میں پڑھتا ہے Mathmatics لیے ہوئے اور سوال دے دیا گیا جو ایم ایس سی Mathmatics فائنل میں آتا ہے۔ وہ بیچارہ کیا جواب دے گا؟

وہ کاپی چھوڑ کر چلا آیا۔ آپ نے اس کو فیل کر دیا۔ یہ فیل نہیں ہوا۔ آپ کا سوال غلط تھا۔ ایم ایس سی فائنل Mathmatics کا سوال آپ نے آٹھویں والے کو دے دیا۔ سوال اس کی اہلیت کے مطابق نہیں ہے، لہٰذا یہ فیل نہیں ہوا اور آٹھویں درجہ والے سے Mathmatics کا جو سوال ہوتا ہے وہ ایم ایس سی Mathmatics فائنل کے پرچے میں دے دیا۔

اس نے نہایت آسانی سے وہ سوال حل کر لیا اور پورے نمبر حاصل کر لیے۔

گولڈ میڈل مل گیا۔ ایم ایس سی کی ڈگری بھی مل گئی تو یہ گولڈ میڈل واپس لیجیے، یہ ڈگری واپس لیجیے، اس لیے کہ اس کا معیار بہت زیادہ بلند تھا۔

توجہ ہے!

انسان جیسے ذہین مخلوق سے یہ سوال کہ یہ بتاؤ کہ کوئی زمانہ تم پر ایسا گزرا ہے کہ جب تم قابلِ ذکر نہ تھے۔

معبود! یہ ہمارے اسٹینڈرڈ سے بہت نیچے کا سوال ہے۔ ہم یوں دیکھتے ہیں کہ ماضی میں تو قابلِ ذکر نہ تھے۔ Future میں دیکھتے ہیں تو قابلِ ذکر نہیں ہیں۔ ہم کو جتنی بات معلوم ہے اس سے آگے تک بتا دیں گے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر پیچیدگی ہے کوئی۔

عزیزانِ گرامی!

اللہ نے دو طرح کے انسان بنائے ہیں دنیا میں:

① سیکھنے والا ② سکھانے والا

ایک سیکھنے والا، ایک سکھانے والا۔ ایک پڑھنے والا، ایک پڑھانے والا۔ ایک تعلیم لینے والا، ایک تعلیم دینے والا، ایک جنت میں جانے والا، ایک جنت میں بلانے والا۔

توجہ!

انسان دو طرح کے بنائے ہیں۔ کیوں دو طرح کے بنائے؟

اس لیے دو بنائے ہیں کہ دین کا کام پہنچانا، کتاب کے علم کو سنبھالنا، انسانیت اور شرافت کے بوجھ کو اُٹھانا، کائنات کی ہدایت کرنا، زمانے کے طوفانوں سے متاثر نہ ہونا، دنیا کے انقلابات کے اندر بہہ نہ جانا، یہ مٹی کے بنے ہوئے انسان کے بس کی

بات نہیں ہے۔ جتنا علم کا بوجھ قرآن میں ہے انسان کا دماغ اس کا ایک حرف بھی اُٹھا نہیں سکتا۔

دیکھیے!

بڑا پرانا ہال بنا ہوا ہے یہ۔ ڈیڑھ سو برس پرانا ہے یہ۔ آپ ہر سال آتے ہیں بیٹھتے ہیں اس میں، لیکن اگر مسجد کے ٹرسٹی یہ چاہیں کہ اس کے اُوپر دو سو منزلہ عمارت بنا دی جائے، دُنیا کی سب سے اُونچی بلڈنگ یہاں بن جائے، بن تو سکتی ہے مگر اس کے لیے بنیاد کا مضبوط ہونا ضروری ہے، گراؤنڈ زیرو سے۔

انھوں نے کہا: ہم تو اسی پر بنائیں گے۔

کہا: اس ہال میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ دو سو منزلہ عمارت کا بوجھ برداشت کر سکے۔ یہ دیواریں نہیں رہیں گی، یہ چھت نہیں رہے گی، یہ ستون نہیں رہیں گے، اتنا وزن یہ برداشت نہیں کر پائے گا۔

جب مٹی کی بنی ہوئی بلڈنگ مٹی ہی کا بوجھ نہیں برداشت کر سکتی تو مٹی سے بنا ہوا انسان قرآن کا بوجھ کہاں سے برداشت کرے گا؟

تو قرآن کو اُٹھائے کون؟

ابھی تک دنیا میں کوئی ترازو ایسا ایجاد نہیں ہوا جو قرآن کا وزن کر کے بتائے کہ کتنا وزن ہے؟ اس لیے کہ قرآن کا وزن بتایا گیا مگر حد نہیں معلوم ہو پائی۔ قرآن نے اپنا وزن یوں بتایا:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ (سورۂ حشر: آیت ۲۱)

"اگر ہم اس (قرآن) کو پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھو کہ پہاڑ

سرمہ ہو جائے"۔

اب ذرا غور کیجیے!

قرآن کا وزن کتنا ہے؟

یہ اب بھی پتہ نہیں چلا اس لیے کہ اگر ہمالیہ پہ اُترے تو ہمالیہ سرمہ ہو جائے۔ معلوم ہوا کہ کوئی چیز ہمالیہ سے طاقتور ہو تو وہ قرآن سنبھالے۔ اب صلواۃ بھیجیے محمدؐ پر جن کے سینے پر قرآن اُترا۔ (صلواۃ)

تو اللہ نے انسان دو بنائے، ایک پڑھنے والا انسان، ایک پڑھانے والا انسان، ایک سیکھے گا، ایک سکھائے گا، ایک پڑھے گا، ایک پڑھائے گا۔ پڑھنے والے جتنے ہیں وہ مٹی سے بنائے گئے ہیں اور پڑھانے والے جتنے ہیں وہ نُور سے بنائے گئے ہیں۔ چنانچہ سرکارِ دوعالمؐ نے فرمایا:

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ

"سب سے پہلے خدا نے میرا نُور خلق فرمایا"۔

جنابِ رسالت مآبؐ بنے نُور سے۔ جنابِ آدمؑ بنے مٹی سے۔ کیا اکیلے سرکارِ محمدؐ ہی نُور سے بنے؟

نہیں!

ایک کو اور کہا:

اَنَا وَ عَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ

"میں اور علیؑ ایک نُور سے"۔

بنانے والا بھی ایک، بننے والا بھی ایک، دُنیا کو دھوکا ہو جاتا۔ یہ خدا ہے یا، یہ خدا ہے؟

کہا: خدا وہ ہے جو ایک رہے گا۔ مخلوق وہ ہے جو ایک کے دو ہو جائیں۔

عزیزانِ گرامی!

اللہ نے سرکارِ دو عالمؐ کو نُور سے بنایا، مولا علی مرتضیٰؑ کو نُور سے بنایا۔ پنجتن پاکؑ کو نُور سے بنایا۔ ہم اور آپ کو مٹی سے بنایا۔ حضرت آدمؑ مٹی سے بنے تھے۔ ہم سب نسلِ آدمؑ میں ہیں، لہٰذا ہم مٹی کے پتلے ہیں۔ وہ نُور کے پتلے تھے۔ ہمارے دادا حضرت آدمؑ ہیں جن کے لیے قرآن نے کہا کہ ہم نے ان کو کھنکھنی مٹی سے بنایا۔

ایک پرانا نکتہ میں اسی مسجد میں پہلے بھی پڑھ چکا ہوں لیکن اگر شاعر کو اپنا شعر repeat کرنے کی اجازت ہے تو میں اپنا پرانا نکتہ اگر repeat کردوں تو کیا حرج ہے؟ یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ہر آدمی ہوشیار ہو جائے کہ اللہ نے سرکارِ رسالت مآبؐ کو نُور سے بنایا۔ حضرت آدمؑ کو مٹی سے بنایا۔ ہم حضرت آدمؑ کے بیٹے ہیں اس لیے مٹی سے بنے ہیں اور امام حسنؑ و امام حسینؑ رسولؐ کے بیٹے تھے اس لیے نُور سے بنے تھے، لہٰذا امام حسنؑ اور امام حسینؑ کا مقابلہ اب کوئی نہ کرے۔ یہاں ابتداء مٹی ہے وہاں ابتداء نُور ہے۔۔۔ (صلوٰۃ)

اب کیوں نُور بنایا؟

مذہب کو پہچاننے کے لیے، قرآن کا علم سنبھالنے کے لیے مٹی کا بنا انسان کافی نہیں ہے، لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ جو تبلیغ کرنے والا ہو، جو علمِ قرآن کا حامل ہو، وہ نُوری ہو۔ اگر مٹی کا بنا ہوگا تو وہ اتنا علم اپنے اندر نہیں رکھ پائے گا کہ دین کی ضرورت کو پورا ہو اور مٹی کا بنا آدمی جو ہے اس میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ اتنے علم کا بوجھ اُٹھائے۔

اس کو اب ایک چھوٹی سی مثال سے سمجھ لیجیے آپ کہ میں مجالس پڑھتا ہوں۔

میں یہ دعویٰ کرسکتا ہوں کہ میں اُردو زبان کا مقرر ہوں۔ اگر میں یہ کہوں میں اُردو زبان کا مقرر ہوں تو یہ بات غلط نہیں ہے لیکن اگر میں کہوں کہ میں ساری دنیا کے لیے مقرر بنا کر بھیجا گیا ہوں تو چینی کہیں گے کہ آپ آکر ذرا ہمارے یہاں اپنی خطابت کے جوہر دکھایئے۔ جاپانی کہیں گے کہ ہمارے یہاں آکر تقریر کیجیے۔ فرانس والے کہیں گے کہ ہمارے یہاں آکر تقریر کیجیے۔ جرمنی والے بلائیں گے کہ ہمارے یہاں آکر تقریر کیجیے۔ امریکہ والے کہیں گے کہ ہمارے یہاں آکر تقریر کریں اور ہر دفعہ میرا ایک ہی جواب ہوگا کہ میں تو اُردو میں تقریر کرتا ہوں، آپ کی زبانیں مجھے نہیں آتیں۔

وہ کہیں گے: پھر آپ نے یہ کیوں کہا کہ ساری دنیا کے لیے؟

میں کہوں گا غلطی ہوگئی تھی کہہ دیا تھا، اصل میں میں ہندوستان بھر کے لیے مقرر ہوں۔

اب ساری دنیا سے ہٹ کر ہندوستان میں آگیا لیکن یہاں بھی مختلف زبانیں تھیں۔ ہر زبان والے علاقے نے مجھے دعوت نامے بھیجے۔ آخر مجھے کہنا پڑا کہ صاحب! میں تو اُردو خطیب ہوں۔ تو آگئے نا اپنی حیثیت میں۔ اگر میں چاہوں کہ دُنیا کی ساری زبانیں سیکھ لوں، ہر جگہ تقریر کروں تو ایک اندازے کے مطابق اس پوری دنیا میں سات ہزار کے قریب زبانیں رہی ہیں۔ ایک سال تو ایک زبان سیکھنے پہ لگے گا، سات ہزار برس کی زندگی ہو تو میں ساری زبانیں سیکھوں اور جب زبانیں سیکھ کر اُٹھوں اور دعویٰ کروں کہ میں دنیا کی ہر زبان میں تقریر کرسکتا ہوں تو دنیا ہنسے گی کہ بوڑھا پاگل ہوگیا ہے کہ اس کو تو وہ زبانیں آتی ہیں جو آج سے سات ہزار پہلے بولی جاتی تھیں، آج کی زبانیں نہیں آتیں۔

اب سمجھے آپ کہ جس کو کائنات کے لیے رسولؐ بنا کر بھیجا گیا ہو اگر کائنات کا پورا علم نہ ہو تو رسالت کیا کرے گی؟ ـــ (صلوٰۃ)

اللہ نے اپنے حبیبؐ کو نور سے بنایا اور انھوں نے اعلان فرمایا:

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ

"سب سے پہلے خدا نے میرا نور خلق فرمایا"۔

اس نور کے دو ٹکڑے کیے تو محمدؐ اور علیؑ بنے۔ پھر پانچ ٹکڑوں میں بانٹا تو پنجتن پاکؑ بنے، پھر چودہ ٹکڑوں میں بانٹا تو چودہ معصومؑ بنے۔

دیکھیے!

یہ بات نہ جوشِ عقیدت ہے، نہ غلو ہے بلکہ ہماری رہنمائی قرآن نے کی کہ رسول اللہؐ نوری ہیں۔ قرآنِ مجید میں ایک آیت ہے:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا ۝ (سورۂ نساء: آیت ۴۱)

"اے ہمارے حبیبؐ! اس وقت آپ کی کیا شان ہوگی، اس وقت آپ کا کیا مرتبہ ہوگا اور کیا جلالت ہوگی جب تمام اُمتوں کے پیغمبرؑ اپنی اپنی اُمتوں پہ گواہ بن کر آئیں گے اور ہم آپ کو ان پیغمبروںؑ پر گواہ بنا کر لائیں گے"۔

پیغمبری کہاں سے شروع ہو رہی ہے؟

حضرت آدمؑ سے۔

رسول اللہؐ سے پہلے آخری پیغمبرؑ کون ہیں؟

جنابِ عیسیٰؑ ابن مریمؑ۔

حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک کے پیغمبرؑ آ رہے ہیں، اپنی اپنی امتوں کے ساتھ آ رہے ہیں، قیامت کے دن اور ان کی نیکی و بدی پر، ان کے خیر و شر پر اور ان کے ایمان و کفر پر گواہی دے رہے ہیں۔ جب گواہیاں مکمل ہو گئیں تو سب پیغمبرؑ ایک طرف جا کر کھڑے ہو گئے۔ اب اللہ نے اپنے حبیبؐ کو بھیجا اور حبیبؐ نے آ کر پیغمبروںؑ کے اخلاصِ عمل پر گواہی دی۔

عزیزانِ گرامی!

تاریخ تو یہ کہتی ہے کہ جنابِ عیسیٰؑ کے کافی عرصہ بعد حضورؐ پیدا ہوئے۔ پانچ سو ستر برس کے بعد حضورؐ پیدا ہوئے اور گواہی دے رہے ہیں حضرت آدمؑ۔ اگر حضورؐ کا وجود، وجودِ نوری نہیں تھا تو یہ گواہی کیسی اس لیے کہ گواہ کو تو آنکھوں دیکھا ہونا چاہیے۔

اگر کوئی مجھے کہ اطہر صاحب! آپ اٹھاون (۵۸) برس سے مغل مسجد میں پڑھ رہے ہیں، کل آ کر گواہی دیجیے گا عدالت میں کہ مغل مسجد آپ کے سامنے بنی، تو اس مسجد کو بنے ڈیڑھ سو سال ہو گئے۔ میں ڈیڑھ سو سال کا نہیں ہوں۔ تو مسجد بنی ضرور ہے لیکن میرے سامنے نہیں بنی۔ میں گواہی نہیں دے سکتا کہ میرے سامنے بنی ہے۔

توجہ!

گواہ کو آنکھوں دیکھا ہونا چاہیے۔

کہا: آپ گواہی دیجیے کہ تاج محل آپ کے سامنے بنا ہے۔

تاج محل ہم نے دیکھا ضرور ہے لیکن تاج محل ہمارے سامنے نہیں بنا ہے۔

عزیزانِ گرامی!

اگر حضورؐ حضرت آدمؑ سے پہلے موجود نہیں تھے تو گواہی کیسی اور تھے تو کیسے

تھے، پیدا تو ہوئے بعد سنہ پہلی عام الفیل میں؟

کہا: عالمِ نور میں تھے۔

اچھا!

اس کونے میں عالمِ نور میں ہیں۔

اب آیئے!

یہ کونہ جو قیامت سے ملا ہوا ہے رسولؐ کے بعد کا اس کے لیے بھی آج سن لیجیے۔

ارشاد ہو رہا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ

"اسی طریقے سے ہم تمھیں درمیانی گروہ قرار دیا کہ تم انسانوں پہ گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ بنے"۔ (البقرہ: آیت ۱۴۳)

مفسرین کہتے ہیں کہ "اُمت وسط" سے مراد اُمت محمدی ہے جو قیامت تک رہے گی۔

ہمارے مفسرین کہتے ہیں کہ "اُمت وسط" سے مراد بارہ امامؑ ہیں جو سلسلۂ امامت قیامت تک رہے گا۔

بہرحال!

اُمت ہو یا امامؑ ہو، سلسلہ قیامت تک رہے گا۔

اللہ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ "ہم نے آپؐ کو ان پر گواہ بنایا"۔

اگر آج رسولؐ ہیں نہیں تو گواہ کیسے؟

اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں فیصلہ کیا کروں؟

اللہ کہتا ہے کہ وہ گواہ ہیں اور اُمت کہتی ہے کہ وہ مر گئے "یا محمدؐ" نہ کہو۔

یہ تو رسولؐ کی بات ہوگئی کہ وہ فوری ہیں۔

رسولؐ کے بعد کوئی اور فوری نہیں ہے۔

اب سنیے!

سب پر گواہ رسولؐ ہیں، پیغمبروںؑ پر رسولؐ گواہ، اُمت وسط پر رسولؐ گواہ۔

رسولؐ پر بھی کوئی گواہ ہے؟

ہم نے پھر قرآن سے پوچھا۔ اے قرآن! تو ہی بتادے کہ رسولؐ پر کوئی گواہ ہے کہ نہیں؟

قرآن بولا:

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۝ (سورۂ رعد: آیت ۴۳)

"اے رسولؐ! کہہ دیجیے میری گواہی کے لیے اللہ کافی ہے اور وہ جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے"۔

یہ کا ہے کے لیے؟

رسالتِ محمدؐ پر گواہ ہیں۔

کون؟

دو ہستیاں ایک اللہ اور ایک وہ جو بہت عالم ہے۔ جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے۔

اب اس آدمی کو ڈھونڈیے کہ وہ کون ہے؟

پہلے یہ دیکھیے کہ رسولؐ کب بنے؟

رسولؐ اللہ نے فرمایا:

كُنْتُ نَبِيًّا وَّ اٰدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ

"میں نبیؐ تھا اور آدمؑ پانی اور مٹی کے درمیان تھے"۔

یعنی آدمؑ ابھی بنے نہیں تھے۔

حضرت آدمؑ تو اس وقت بنے نہیں تھے جو گواہ ہوئے۔

جب حضرت آدمؑ گواہ نہیں ہو سکتے رسالت محمدؐ کے تو آدمی کہاں سے ہوگا؟

بہرحال!

کوئی صاحب تھے ضرور، قرآن نے نام نہیں لیا ہے، صفت بتائی ہے کہ ان کے پاس پوری کتاب کا علم ہے۔

پوری کتاب کی شان کیا ہے؟

پوری کتاب کی شان کتاب کے اندر یہ لکھی ہوئی ہے:

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (سورۂ انعام: آیت ۵۹)

"دنیا کا کوئی خشک و تر ایسا نہیں ہے جو کتابِ مبین میں نہ ہو"۔

یہ پوری کتاب کی شان ہے اور گواہ وہ صاحب ہیں جو پوری کتاب کے عالم ہیں، کہیں یہ وہی تو نہیں ہیں جو کل منبر پر بیٹھے "سلونی سلونی" کہہ رہے تھے۔

(نعرۂ حیدری)

اب سنیے!

میں نے آٹھ دن آپ کو مٹی سے بنے انسان کی کہانی سنائی۔ آج نور کے بنے انسان کی کہانی سنیے جس کے پاس علمِ کتاب ہے۔

یا اللہ! تو اکیلا کافی تھا گواہی کے لیے، خوامخواہ تو نے ایک اور کو شامل کیا؟

اب یہ تو اللہ کی مصلحت ہے، اللہ ہی جانے کہ اُس نے رسالت کی گواہی میں ایک اور کو شامل کر لیا۔ جب رسالت کی گواہی میں اللہ نے ایک اور کو شامل کر لیا تو اکیلا قرآن کیسے کافی ہو جائے گا؟

تو اب سرکارِ دو عالمؐ انبیاءؑ پر گواہ ہیں۔

نور کے دوسرے حصے کا کام کیا ہے جو اس وقت سے موجود ہے جب رسولؐ کے سر پر تاجِ رسالت رکھا جا رہا تھا۔

بڑا مشہور واقعہ ہے۔ میں کئی دفعہ پڑھ چکا ہوں، محض اشارہ کر رہا ہوں۔

جنابِ رسولؐ بیٹھے تھے، جنابِ سلمانؓ بیٹھے تھے اور مولا علیؑ بیٹھے تھے اور عرب کا میوہ کھجور نوش فرما رہے تھے۔ پتہ نہیں کیا ہوا کہ ایک گٹھلی جنابِ سلمانؓ کے لگی۔ یہ ہمارے ہندوستان میں بھی رواج ہے کہ جب بھی کچھ دوست اکٹھے بیٹھ کر آم کھاتے ہیں تو کبھی کبھی گٹھلیاں چل جاتی ہیں۔

سمجھیے آپ!

گٹھلی لگی، انھوں نے مڑ کر دیکھا، کہا: آپ مجھ بوڑھے سے مذاق کرتے ہیں؟

یہ ٹریننگ ہو رہی تھی، جنابِ سلمانؓ سمجھ نہیں پائے۔

کہنے لگے: سلمانؓ! کیا تم بہت بوڑھے ہو؟

کہا: ہاں سرکارؐ! میں اتنا بوڑھا ہوں۔

کہنے لگے: کیا تمھیں وہ واقعہ یاد ہے جب تمھیں شیر نے گھیرا تھا جنگل میں۔

کہا: جی ہاں! یاد تو ہے مگر آپ کو کس نے بتایا ہے؟

کہا: پھر ایک آدمی آ گیا تھا اس نے شیر کو بھگا دیا تھا۔

جنابِ سلمانؓ نے کہا: جی ہاں! بالکل صحیح۔ ایک آدمی آیا تھا اس نے بھگا دیا تھا شیر کو۔

کہا: جب تمھاری جان بچ گئی، تمھارے دم میں دم آیا، وہاں جنگل تھا، پھول کھلے ہوئے تھے کچھ، تم نے ان پھولوں کو جمع کر کے ایک گلدستہ بنایا تھا۔ اس آدمی کے پاس آئے اور کہا تھا کہ جی میرے پاس کچھ ہے نہیں اس وقت جو میں آپ کو تحفہ دوں بس غریب کا تحفہ یہی پھولوں کا گلدستہ ہے، یہ قبول فرمایئے۔ تو اس آدمی نے گلدستہ لے لیا۔

جنابِ سلمانؓ نے کہا: ہاں سرکارؑ! بالکل یہی ہوا لیکن یہ بات مجھے اور میرے خدا کے سوا کسی اور کو معلوم ہی نہیں ہے یا پھر اس آدمی کو معلوم ہے۔

ایک دفعہ عباء میں ہاتھ ڈالا تو گلدستہ نکالا۔ کہا: سلمانؓ! دیکھو کہیں یہی گلدستہ تو نہیں تھا؟

اب تو جنابِ سلمانؓ کی حیرانگی کی انتہا نہ رہی کہ یہ کیا ہے؟

اب اگر مولا علیؑ بازو نہ تھام لیں تو نا جانے کیا ہو۔

تعلیم تو دے دی لیکن اب علم ریلے میں بہہ نہ جائیں، یہ سنبھالو انھیں۔

کہا: سلمانؓ! گھبراؤ نہیں، ہر نبیؑ کی مدد میں نے چھپ کر کی ہے مگر محمدؐ کی مدد میں نے ظاہری طور پر کی ــــ (نعرۂ حیدری)

یہ علیؑ اُدھر ہیں، اُس کونے پر، ایک نُور کو تصدیق کے لیے چھوڑا، ایک نُور کو مدد کے لیے خلق کیا۔

اب رسولؐ کے لیے تو میں نے آیت پڑھی کہ رسولؐ اُمت وسط کے لیے گواہ،

یہ بھی قیامت والے End پہ ہیں کہ نہیں۔

پھر سنیے قرآن!

آج بات پوری قرآن ہی سے ہے، قرآن میں ایک سورہ ہے:

اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا ۝۱ وَاَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا ۝۲ وَقَالَ الۡاِنۡسَانُ مَا لَهَا ۝۳

(سورۂ زلزال: آیت ۱ تا ۳)

سنیے انسان!

انسان کو پہچانیے۔

اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا ۝۱

"جب زمین کو زور زور سے جھٹکے دیئے جائیں گے"۔

وَاَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا ۝۲

"زمین کے کلیجے میں جو کچھ ہے وہ نکال کر باہر اُگل دے گی،

اپنا سارا بوجھ نکال کے پھینک دے گی۔

وَقَالَ الۡاِنۡسَانُ مَا لَهَا ۝۳

"انسان کہے گا: تجھے کیا ہو گیا ہے؟"

آپ یہ نہ سمجھئے کہ وہ انسان آپ ہوں گے۔ یقین مانئے، ذرا سا زمین کو جھٹکا لگتا ہے تو ہوش وحواس بگڑ جاتے ہیں۔ ابھی تھوڑے دن پہلے لکھنؤ میں زلزلہ آچکا ہے، برا حال ہو گیا تھا لوگوں کا، ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

وَقَالَ الۡاِنۡسَانُ مَا لَهَا ۝۳

"انسان کہے گا تجھے کیا ہو گیا ہے؟"

جیسے کوئی شہسوار اپنے گھوڑے کو ڈانٹ رہا ہو جب گھوڑا اُچھل کود کرنے لگے، تجھے کیا ہو گیا ہے۔

وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۝
بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ۝ (سورۂ زلزال: آیت ۳ تا ۵)

"وہ دن جس دن زمین اپنی خبریں بیان کرے گی"۔

معلوم ہوا کہ کوئی معمولی آدمی نہیں پوچھ رہا ہے، کوئی VIP پوچھ رہا ہے:

"اللہ وحی بھیج رہا ہے کہ انسان پوچھ رہا ہے بولتی نہیں تو زمین جلدی جلدی اپنی خبریں دینے لگے گی"۔

اب سمجھے آپ کہ ابوتراب کے کیا معنی ہیں ـــــ (نعرۂ حیدری)

سنیے!

مسئلہ کیا ہے؟

مسئلہ یہ ہے کہ انسان کی ہدایت کے لیے مٹی کا بنا انسان کافی نہیں ہے، لہٰذا اللہ نے ایک انسان دوسری قسم کا بنایا نور سے اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کو دو وجود عطا فرمائے۔ ایک وجودِ ظاہری جس کے اندر وہ ہماری طرح انسان دکھائی دیتے تھے اور ایک وجودِ حقیقی جس کے اندر وہ نور ہیں۔

وجودِ ظاہری اس لیے دیا کہ ہم کو اجنبیت نہ محسوس ہو، ہم الگ تھلگ نہ رہیں، ہم ان کے قریب جائیں اور وجودِ نوری و حقیقی اس لیے دیا کہ جو کام اُن کے ذمہ ہے، جو مقصد اُن کے ذمہ ہے وہ پورا ہوتا رہے اور اس کے اندر کسی قسم کی کمی نہ ہونے پائے۔ اس کی دنیا میں دوسری مثال جو ہے اہلِ بیتؑ کے علاوہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے علاوہ۔ ایک اور مثال ہے دُنیا میں اس کا نام ہے قرآن پاک۔ قرآن پاک کو بھی اللہ

نے دو وجود عطا فرمائے ہیں: ایک وجودِ ظاہری ہے جس کے اندر وہ بشکل کتاب آپ کے یہاں الماریوں میں رکھا ہے اور بچے بھی اس کو اُٹھا لیتے ہیں، بوڑھے بھی اس کو پڑھتے ہیں، عورتیں بھی اس کو اُٹھا لیتی ہیں، کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ یہ قرآن کا وجودِ ظاہری ہے جو کاغذوں پر لکھا ہوا ہے۔ کتاب کی شکل میں ہے، ہمارے گھروں میں الماریوں میں رکھا ہوا ہے۔

اور ایک قرآن کا وجودِ نوری ہے۔ وجودِ نوری وہ ہے کہ جو اگر ہمالیہ پہ اُترآئے تو ہمالیہ سرمیہ ہو جائے۔ وجودِ ظاہری ہماری الماری نہیں توڑ رہا ہے جس میں کئی قرآن رکھے ہیں۔ اور وجودِ نوری جو ہے اگر اس کو ہمالیہ اُٹھائے تو اُٹھا نہیں سکے گا۔

جس طریقے سے قرآن کے دو وجود ہیں ایک ظاہری ہے جس کو ہم پڑھ سکیں، اس سے فائدہ اُٹھا سکیں وہ قرآن کا وجودِ ظاہری ہے اور ایک قرآن کا وجودِ نوری ہے بالکل اسی طرح محمدؐ و آلِ محمدؐ کا ایک وجودِ ظاہری ہے اور ایک وجودِ نوری ہے۔

ذکرِ مصائب (شہادتِ جنابِ علی اکبرؑ)

بس عزیزانِ گرامی!

زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی۔ اب وقت تمام ہو گیا۔ آج نویں رات جنابِ سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو پرسہ دینا ہے۔

عزادارو!

یہ امام حسینؑ پر رونے کی راتیں ہیں، یہ معصومہ عالمینؑ کو پرسہ دینے کی راتیں ہیں، جنابِ سیدہ مجلس میں تشریف لاتی ہیں اپنے لختِ جگر کی سوگوار بن کر اور دُعائیں دیتی ہیں:

طُوبیٰ لَکُمْ یَا اَحِبَّائِی

"خوش حال تمہارا اے میرے حسینؑ پر رونے والو!"

تم اس پر رو رہے ہو جس کی نہ ماں ہے نہ باپ۔

عزادارو!

جب سے محرم کا چاند طلوع ہوا ہے تب سے مسلسل عزاداری میں مشغول ہیں۔ دوستوں کا پرسہ دیا، عزیزوں کا پرسہ دیا، دل کے ٹکڑوں کا پرسہ دیا۔ جنابِ سیّدہؑ کے یتیم پوتے قاسمؑ کا پرسہ دیا۔ جس کو جنابِ سیّدہؑ نے اپنا لختِ جگر کہا جنابِ عباسؑ کا پرسہ دیا۔ آج شہزادہ علی اکبرؑ کے پرسے کی رات ہے۔

عزادارو!

میں جب سوچتا ہوں کبھی کبھی تو میرا دل تڑپنے لگتا ہے۔ میں بھی انسان ہوں، واقعاتِ تاریخ جب میری آنکھوں سے گزرتے ہیں پھر میں نفسیاتِ انسانی کے حساب سے بھی سوچتا ہوں۔

جب مجلس پڑھتا ہوں، کسی کی ماں کو اگر کوئی خوبصورت بیٹا مل جاتا ہے کہ جہاں لے کر گئی شادی میں، غمی میں، اجتماع میں، کسی پروگرام میں، جس نے بھی دیکھا تو کہا کہ تمہارا بچہ بہت پیارا ہے۔ ارے بڑا پیارا ہے، ارے بڑا حسین ہے۔ ارے اللہ سلامت رکھے، ارے بڑا پیارا بچہ ہے۔

عزیزانِ گرامی!

ماں نظر تو اُتارتی ہے، دُعائیں تو مانگتی ہے مگر ایک طرح کی خوشی محسوس کرتی ہے کہ اللہ نے مجھے بہت پیارا بچہ عطا فرمایا۔ یہ نفسیاتی فطرت ہے۔ آپ سے زیادہ میری بہنیں، بیٹیاں زیادہ سمجھیں گی۔

پ سوچئے!

کبھی بی بی لیلیٰؑ کی نفسیات پر غور کیجیے۔ جب علی اکبرؑ اٹھارہ برس کے تھے نہیں، بچپن میں اپنی ماں کی گود میں رہتے ہوں گے، اپنی پھوپھی کی گود میں رہتے ہوں گے، ساتھ جاتے ہوں گے، ساتھ آتے ہوں گے، ہر ایک تعریف کرتا ہوگا۔ جب اور زیادہ بڑے ہوئے ہوں گے تو لوگ کہنے لگے ہوں گے کہ اس میں تو رسولؐ اللہ کی جھلکیاں نظر آ رہی ہیں۔ یہ آنکھیں تو بالکل رسولؐ اللہ کی آنکھوں جیسی ہیں، یہ چہرہ تو رسولؐ اللہ کے چہرے سے ملتا جلتا ہے۔ یہ بلند پیشانی تو رسولؐ اللہ کی پیشانی جیسی ہے۔

آپ سوچئے!

ماں یہ سن کر کیسی خوش ہوتی ہوگی اور کیا محسوس کرتی ہوگی۔

سوچئے!

جب جناب لیلیٰؑ کی کمائی اُجڑی ہوگی۔

آجَرُکُمْ اِلَی اللّٰہِ .جَزَاکُمْ رَبُّکُمْ

ایک روایت سنا دوں آپ کو!

ایک کتاب میں میں نے پڑھا کہ حضرت عباسؑ بلند قامت کے جوان تھے۔ اُن کا قد مبارک جو تھا وہ بہت بلند تھا۔ روایت میں ہے کہ چونتیس برس کے چچا کے ساتھ جب اٹھارہ برس کا بھتیجا چلتا تھا تو چچا کے شانے سے شانہ ملتا تھا۔

عزادارو!

کیا میں سوال کروں کہ اے موت! کیا یہ شباب اسی دن کے لیے آیا تھا کہ بوڑھا باپ لاشہ اُٹھائے؟

عاشور کا سویرا ہوا، دشمن کے لشکر کی تیاری مکمل ہوئی۔ امام حسینؑ کا چھوٹا سا لشکر صف باندھ کے کھڑا ہوا۔

روایت بتاتی ہے کہ جب دونوں لشکر آمنے سامنے آگئے تو امام حسینؑ نے جنابِ علی اکبرؑ کو دیکھا، فرمایا:

تَقَدَّمْ یَا وَلَدِی

"میرے بیٹے! آگے بڑھو"۔

سب سے پہلی اجازت جنابِ علی اکبرؑ کو ملی۔

علماء نے لکھا ہے کہ اسی لیے جنابِ علی اکبرؑ اوّل شہید کہلاتے ہیں کہ سب سے پہلے اجازت اِن کو ملی۔ اصحابِ باوفا نے اپنے گلوں پہ تلواریں رکھ لیں۔

کہا: ہماری زندگی میں جنابِ علی اکبرؑ جائیں گے، یہ نہیں ہوگا۔ جب ہم نہ رہیں تو اختیار ہے۔

اپنے باوفا اصحاب کی گزارش پر امام حسینؑ نے اپنے بیٹے علی اکبرؑ کو روک لیا۔

بس!

دوست تمام ہوئے۔ عزیزوں کی باری آئی، عزیز تمام ہوئے، دل کے ٹکڑوں کی باری آئی، دل کے ٹکڑے تمام ہوئے۔ اب جنابِ علی اکبرؑ اکیلے تھے۔

کہا: بابا! اب اجازت دیں۔

امام حسینؑ نے منع نہیں فرمایا۔ ایک جملہ فرمایا: خیمے میں جا کر اہلِ حرم سے رخصت ہولو۔

لیجیے شہزادہ خیمے میں گیا۔ مجھے نہیں معلوم ماں سے کیا باتیں ہوئیں۔ مجھے نہیں معلوم پھوپھی کو کیا کہہ کر راضی کیا۔ مجھے نہیں معلوم چچا کی سوگوار بہن سے کیا گفتگو

ہوئی۔ مجھے تو بس اتنا معلوم ہے کہ شہزادہ نکلنا چاہتا ہے بیبیاں روک لیتی ہیں، خیمے کا پردہ اُٹھتا ہے اور گر جاتا ہے، اُٹھتا ہے اور گرتا ہے۔

ایک مرتبہ جنابِ علی اکبرؑ نکلے ایسا لگا جیسے بھرے گھر سے جنازہ نکل گیا۔ قیامت کا جہاد کیا۔ ایک ملعون کو قتل کر کے آئے باپؑ کے سامنے، کہا: بابا! کیا پانی کی کوئی سبیل ہو سکتی ہے؟

امام حسینؑ نے فرمایا: بیٹا! عنقریب تیرے دادا تجھے آبِ کوثر سے سیراب کریں گے۔

لیجیے جنابِ علی اکبرؑ پھر میدان میں گئے۔ خیمے کے دروازے پر بی بی لیلیٰؑ کھڑی تھیں۔ وہ خیمے میں چلی گئیں۔ شہزادی زینبؑ درِ خیمہ پر آ گئیں۔ امام حسینؑ خیمے کے دروازے پر کھڑے ہوئے، ایک آواز آئی:

يَا أَبَتَاهُ عَلَيْكَ مِنِّي السَّلَامُ

"بابا! میرا آخری سلام!"

عزیزو!

امام حسینؑ اکیلے تھے، جنابِ علی اکبرؑ کے لاشے کی طرف چلے، بیٹے کو زندہ پایا، کہا: بابا! میرے دادا آ گئے، ہاتھ میں جامِ کوثر لیے ہوئے ہیں۔

لیجیے امام حسینؑ نے ایک ہاتھ زمین پہ ٹیکا، ایک ہاتھ سے برچھی نکالی۔ جنابِ علی اکبرؑ کا دم نکل گیا۔ امامؑ نے منہ پہ منہ رکھ دیا۔

يَا بُنَيَّ!

"ارے میرے لال!"

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ○

فہرست کتب

کتاب	مصنف/مولف	ہدیہ
تفسیر نورالثقلین (9 جلدیں) فی جلد	محدث عبد علی الحویزی	600
مدینہ سے مدینہ تک	سید محمد جواد ذہنی تہرانی	600
انسائیکلوپیڈیا امام علیؑ (جلد اول)	علامہ محمد ری شہری	600
انسائیکلوپیڈیا امام حسینؑ (3 جلدیں)	علامہ محمد ری شہری	2000
مناقب اہلبیتؑ (4 جلدیں)	سید احمد مستنبط قدس سرہٗ	1600
معجزات آل محمدؐ (مدینۃ المعاجز، 4 جلدیں)	علامہ السید ہاشم البحرانی	1600
تحفۃ الامام (فضائل اہلبیتؑ) (3 جلدیں)	"	1200
اصحاب مہدیؑ	"	250
شمیم ولایت	آیت اللہ جوادی آملی	400
اقوال علیؑ (حصہ اول، دوم)	علامہ سید حسین شیخ الاسلام	700
تجلیاتِ عصمت	آیت اللہ سید محمد علی ابن الرضا	400
خصائصِ عباسؑ علمدار	آیت اللہ محمد ابراہیم کلباسی	375
مولائے کائناتؑ کے فیصلے	علامہ ذبیح اللہ محلاتی	400
تعلیماتِ اہلبیتؑ	آیت اللہ ذبیح اللہ اسلامی	400
سوال عوام کے جواب رسولؐ اسلام کے (حصہ اول، 2 جلدیں)	علامہ احمد قاضی گلپائیگانی	500
سوال عوام کے جواب امامؑ کے (حصہ دوم)	"	250
سوال عوام کے جواب بعثت رسولؐ اسلام کے (حصہ سوم)	"	250
سوال عوام کے جواب امامؑ کے (حصہ چہارم پنجم)	"	250

سوال عوام کے جواب امامؑ کے (حصہ ششم)	علامہ احمد قاضی گلپایگانی	250
سوال عوام کے جواب امامؑ کے (حصہ ہفتم، 2 جلدیں)	"	500
سوال عوام کے جواب امامؑ کے (حصہ ہشتم)	"	250
سوال عوام کے جواب امامؑ کے (حصہ نہم)	"	325
سوال عوام کے جواب امامؑ کے (حصہ دہم، 2 جلدیں)	"	500
سوال عوام کے جواب امامؑ کے (حصہ یازدہم)	"	250
سوال عوام کے جواب امامؑ کے (حصہ دوازدہم)	"	250
سوال عوام کے جواب امامؑ کے (حصہ سیزدہم)	"	250
سوال عوام کے جواب امامؑ کے (حصہ چہاردہم)	"	250
جمالِ منتظرؑ	آیت اللہ لطفی صافی گلپایگانی	700
مہدی منتظرؑ (نویدِ امنِ عالم)	"	215
اسلام اور کائنات	شہید آیت اللہ مرتضیٰ مطہری	450
سیرتِ آلِ محمدؐ	"	250
فطرت	"	200
شاہکارِ رسالتؐ	"	100
قصص الانبیاءؑ (تاریخِ انبیاءؑ)	علامہ محمد محمدی اشتہاردی	1000
140 داستانِ معصومینؑ	"	185
اُم المومنین خدیجۃ الکبریٰؑ	"	250
سوگ نامہ آلِ محمدؐ (مترجم: علامہ ریاض حسین جعفری، 2 جلدیں)	"	900
برزخ چند قدم پر (مترجم: علامہ ریاض حسین جعفری)	"	250
موت کے بعد کیا ہوگا؟	"	300
محمدؐ کا محمدؐ (مترجم: علامہ ریاض حسین جعفری)	"	150

محمد مع علیؑ (مترجم: علامہ ریاض حسین جعفری)	علامہ محمد محمدی اشتہاردی	150
نسیم المجالس (2 جلدیں)	حضرت علامہ نسیم عباس رضوی	400
خطبات نسیم	حضرت علامہ نسیم عباس رضوی	250
اُولی الامر کون؟	"	250
بہشت	شہید سید دستغیب شیرازی	550
تفسیر سورۃ واقعہ	"	325
تفسیر سورۃ حدید	"	300
ولایت	"	400
نصیحتیں (مترجم: علامہ ریاض حسین جعفری)	"	250
توحید	"	250
سورج بادلوں کی اوٹ میں	"	165
امالی شیخ صدوق (2 جلدیں)	محدث شیخ صدوق	1000
فضائل الشیعہ (مترجم: علامہ ریاض حسین جعفری)	"	100
محب اہلبیت کون؟ (مترجم: علامہ ریاض حسین جعفری)	"	100
فلسفۂ غیبت مہدیؑ	"	250
امامت و ولایت	"	200
اقوالِ پنج تنؑ	علامہ حسن رضا غدیری	200
تاریخ جنت البقیع	"	150
ذکرِ حسینؑ	"	200
حرفِ احساس	"	150
حسینؑ میرا	"	135
جام غدیر	"	175

زندہ تحریریں	علامہ حسن رضا غدیری	165
جذبۂ انتقام	سید عنایت علی شاہ	225
پیام کربلا	علامہ صادق حسن نجفی	150
کربلا، امامؑ زمانہ اور ہماری ذمہ داریاں	"	200
قبر میں کام آنے والی نیکیاں	"	200
ولایت اہل بیتؑ اور اس کے تقاضے	"	400
معرفت اسلام اور اس کے تقاضے	"	150
تربیت اولاد	"	225
امامؑ زمانہ اور ہمارا کردار	"	150
فلسفۂ زیارت اور مقام زائر	"	150
چودہ ستارے	"	450
تزکیۂ نفس	"	200
غدیری اسلام	"	225
انتقام مختارؒ	"	250
نبیؐ کی بیٹی	"	245
مومن اہل بیتؑ کی نگاہ میں	"	250
مومن امیر المومنینؑ کی نظر میں	"	250
عملیات تسخیر و محبت	علامہ عابد عسکری	500
جادو شکن	"	300
قسمت نامہ	"	350
قوم جنات	"	400
اسم اعظم (مترجم: علامہ ریاض حسین جعفری)	"	300



ادارہ منہاج الصالحین

الحمد مارکیٹ فرسٹ فلور دکان نمبر 20۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

فون: 042-37225252 ، 0301-4575120